نگار

ہندوستان و پاکستان دونوں جگہ
قیمت فی کاپی ۱۰ار

سالانہ چندہ پاکستان و ہندوستان
آٹھ روپیہ چھ آنے (مع سالنامہ)

تصانیف نیاز فتحپوری

نگارستان

حضرت نیاز کے بہترین ادبی مقالات اور افسانوں کا مجموعہ نگارستان نے ملک میں جو درجۂ قبول حاصل کیا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اسکے متعدد ضمائم غیر زبانوں میں منتقل کئے گئے۔ اس اڈیشن میں متعدد افسانے اور ادبی مقالات ایسے اضافہ کئے گئے ہیں جو پچھلے اڈیشنوں میں نہ تھے اسلئے ضخامت بھی زیادہ ہے۔ قیمت چار روپیہ علاوہ محصول

ہندو مسلم نزاع کو ہمیشہ کیلئے ختم کر دینے والی انجیل انسانیت

من و یزداں

مولانا نیاز فتحپوری کی ۲۰ سالہ دور تصنیف و صحافت کا ایک غیر فانی کارنامہ جس میں اسلام کے صحیح مفہوم کو پیش کر کے تمام نوع انسانی کو انسانیت کبریٰ و اخوت عامہ کے ایک رشتہ سے وابستہ ہونے کی دعوت دی گئی ہے، جس میں مذاہب کی تخلیق دینی عقائد رسالت کے مفہوم اور صحائف مقدسہ کی حقیقت پر تاریخی علمی، اخلاقی اور نفسیاتی نقطہ نظر نہایت بلند انشائیاں اور پرزور خطیبانہ انداز میں بحث کی گئی ہے

ضخامت ۴۰۰ صفحات کاغذ سفید و بیز

قیمت سات روپیہ آٹھ آنے علاوہ محصول

جمالستان

اڈیٹر نگار کے افسانوں اور مقالات ادبی کا دوسرا مجموعہ جس میں حسن بیان ندرت خیالات اور پاکیزگ زبان کے بہترین شاہکاروں کے علاوہ بہت سے اجتماعی و معاشرتی مسائل کا حل بھی نظر آئے گا ہر افسانہ ہر مقالہ اپنی جگہ معجزۂ ادب کی حیثیت رکھتا ہے اس اڈیشن میں افسانے اضافہ کئے گئے ہیں جو پہلے اڈیشنوں میں نہ تھے

قیمت پانچ روپیہ آٹھ آنے علاوہ محصول

حسن کی عیاریاں

اور دوسرے افسانے

حضرت نیاز کے افسانوں کا تیسرا مجموعہ جس میں تاریخ اور انشاء لطیف کا بہترین امتزاج آپ کو نظر آئے گا اور ان افسانوں کے مطالعہ سے آپ پر واضح ہو گا کہ تاریخ کے بھولے ہوئے اوراق میں کتنی دلکش حقیقتیں پوشیدہ تھیں جنہیں حضرت نیاز کی انشا نے اور زیادہ دلکش بنا دیا ہے

قیمت پانچ روپیہ آٹھ آنے علاوہ محصول

مذہبی استفسارات و جوابات کا

مجموعہ

اس مجموعہ میں جن مسائل پر حضرت نیاز نے روشنی ڈالی ہے ان کی مختصر فہرست یہ ہے (۱) اصحاب کہف (۲) معجزہ و کرامت (۳) انسان مجبور ہے یا مختار (۴) مذہب و عقل (۵) طوفان نوح (۶) خضر کی حقیقت (۷) مسیح علم و تاریخ کی روشنی میں (۸) یوسف ہاروں (۹) حسن یوسف کی داستان (۱۰) قارون (۱۱) سامری (۱۲) علم غیب (۱۳) دعا (۱۴) توسل (۱۵) لقمان (۱۶) عالم برزخ (۱۷) یاجوج ماجوج (۱۸) ہاروت ماروت (۱۹) حوض کوثر (۲۰) امام مہدی (۲۱) نور محمدی اور پل صراط (۲۲) آتش نمرود و غیرہ

ضخامت ۶۲۲ صفحات کاغذ سفید و بیز

قیمت پانچ روپیہ آٹھ آنے

ترغیبات جنسی یا

شہوانیات (مجلد)

اس کتاب میں نجاشی کی تمام فطری اور غیر فطری قسموں کے حالات پر تاریخی و نفسیاتی حیثیت سے نہایت شرح و بسط کے ساتھ محققانہ تبصرہ کیا گیا ہے کہ نجاشی دنیا میں کب اور کس طرح رائج ہوئی نیز یہ کہ مذہب عالم نے اسکے رواج میں کتنی مدد کی اس کتاب میں آپکو حیرت انگیز واقعات نظر آئیں گے۔ نیا اڈیشن

قیمت چار روپیہ علاوہ محصول

سالنامہ ۵۶ء

"خدا نمبر"

(مع متعدد تصویروں، نقوش اور خاکوں کے)

چھ حصوں میں تقسیم ہوگا :-

حصۂ اول : مذہب کا خیال کب اور کیوں پیدا ہوا اور عہدِ تاریک سے گزر کر نیم مہذب اقوام نے خدا کا تصور کس کس طرح کیا۔

حصۂ دوم : ملل ڈنیمہ اور سامی اقوام میں، مصری، بابلی و آشوری، فینقی، یہودی، عیسائی مذاہب اور اسلام کا تقابلی مطالعہ

حصۂ سوم : آریہ مذاہب میں یونانی، رومی، ٹیوٹانی، کیلٹی، فارسی، ہندو، بودھی، جینی اور سکھ اقوام نے خدا اور مذہب کو کس نقطۂ نگاہ سے دیکھا۔

حصۂ چہارم : امریکہ کی مایا اور دوسری غیر مہذب اقوام نے خدا کو سمجھنے کی کیا صورتیں اختیار کیں۔

حصۂ پنجم : عقل و مذہب کی جنگ، روایت و درایت کا تصادم اور الحاد و لامذہبیت کا ارتقاء

حصۂ ششم : تمام ابواب پر مفصل تبصرہ۔

نیجر نگار

بعض کمیاب کتابیں

(ان کتابوں پر کمیشن نہیں ملسکے گا)

کتاب دول الاسلام - شمس الدین ---- ۱۵ء

عیون الانبا فی طبقات الاطباء - ابی العباس احمد ۲ جلد ۵۰ء

تذکرۃ الحفاظ - ۴ حصے - شمس الدین ابی عبداللہ ذہبی - ۵۰ء

کتاب الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب - ۲ حصص ابی عمر یوسف ۳۰ء

تاریخ الخلفاء - جلال الدین سیوطی ---- ۷ء

تاریخ ابوالفداء - ۴ حصے - عماد الدین اسماعیل ابی الفدا - ۳۵ء

وفیات الاعیان "تاریخ ابن خلکان" - ۲ جلد - قاضی احمد ابن خلکان ۵۰ء

فتوح الشام - ابوعبداللہ واقدی ---- ۷ء

عقد الفرید ۳ جلدیں - شہاب الدین احمد ---- ۳۵ء

صواعق محرقہ " ---- ۵ء

شرح نہج البلاغۃ - ابی الحدید المعتزلی - ۲ جلد مطبوعہ ایران ۶۰ء

دیوان حسان بن ثابت ---- ۳ء

العقد الثمین - طرفہ و زہیر امرا القیس ---- ۲ے
دیوان ابوالعتاہیہ - ابواسحٰق اسمٰعیل ---- ۱۰ے
شرح دیوان الحماسہ - ۲ حصص - شارح ابی زکریا یحییٰ -- ۲۵ے
شرح مقامات حریری - ۲ حصص - شارح ابی عباس احمد ۳۵ے
دیوان متنبی مع شرح - مترجمہ ذوالفقار علی ---- ۲۰ے
القاموس - ۴ حصے - مجدالدین محمد ---- للعہ ۴۰
مجمع البحرین - ۴ حصے - فخرالدین ---- ۳۵ے
گلستانِ ہند - درگا پرشاد ---- ۱۵ے
جہاں کشائے نادری مصور مرزا مہدی خاں ---- ۲۰ے
جہانکشائے نادری ---- ۸ے
سفرنامہ شاہ ایران - مصور (یورپ) ---- ۲۰ے
انفاس العارفین - شاہ ولی اللہ ---- ۲ے
تذکرہ خزینۃ الاصفیا - غلام سرور ---- ۲۵ے
گلستانِ مسرت - کرم خوردہ - عبدالرحمٰن ---- ۲۰ے
تذکرہ دولت شاہ سمرقندی ---- ۸ے
صبح گلشن (تذکرہ) علی حسن خاں ---- ۲۵ے
وقائع نعمت خانِ عالی انشا حسن و عشق ---- ۵ے
جذب القلوب الی دیار المحبوب مصنفہ شیخ عبدالحق - قلمی مکتوبہ - ۲۵ے
تاریخ مشتمل بر حالات نادرشاہ - قلمی ---- ۱۰ے
انتخاب سیر البلاد - قلمی ---- ۲۵ے
کلیات قاآنی - مرزا حبیب شیرازی ---- ۲۵ے
کلیات جامی - عبدالرحمٰن ---- ۸ے
کلیات ظہیر فاریابی ---- للعہ ۴۰
کلیات اسمٰعیل اصفہانی ---- ۸ے
دیوان حافظ - مطبوعہ بمبئی ---- ۲۰ے
دیوان عرفی - جمال الدین ---- للعہ
دیوانِ نعمت خان عالی ---- ۵ے
دیوان ہلالی مجشی ---- ۵ے
دیوانِ مظہر جانجاناں ---- ۸ے
برہانِ قاطع - محمد حسین مطبوعہ ٹائپ ---- ۲۰ے

قاطع برہان - میرزا اسداللہ خاں ---- ۵۰ے
غیاث اللغات ---- ۲۰ے
منتخب اللغات ---- ۸ے
تاج التواریخ - ۳ جلد مرتبہ نصرت علی ---- ۵۰ے
تاریخ الاسلام - محمد احسان اللہ ---- ۲۰ے
تواریخ ڈھاکہ مصور - رحمان علی ---- ۱۰ے
تاریخ فرشتہ - ۲ جلد - محمد قاسم ---- ۲۵ے
تذکرہ بہار گلشن کشمیر ۲ جلد مصور (تذکرہ شعراء کشمیری پنڈتان) ۵۰ے
نگارستان فارس - محمد حسین آزاد ---- ۸ے
تذکرۂ گلِ رعنا - عبدالحی ---- ۱۰ے
تذکرۂ سخن شعراء - عبدالغفور ---- ۱۲ے
تذکرۂ سراپا سخن - میر محسن علی ---- ۱۵ے
تذکرۂ کاملانِ رامپور - احمد علی خاں ---- ۱۰ے
صحیفۂ زریں - مرتبہ نولکشور پریس ---- للعہ ۴۰
البرامکہ - محمد عبدالرزاق ---- ۱۰ے
کلیات میر - مطبوعہ قدیم ---- ۱۰ے
دیوانِ ولی - مرتبہ حیدر ابراہیم ---- ۸ے
دیوانِ شرف - آغا ہجو ---- ۲ے
کلیات سودا - میرزا رفیع ---- ۸ے
دیوان تسلیم - منشی امیر اللہ ---- للعہ ۴۰
کلیات نظیر اکبرآبادی ---- ۵ے
کلیات ناسخ - شیخ امام بخش ---- ۸ے
مرآۃ الغیب - امیر مینائی ---- ۵ے
محامد خاتم النبیین " ---- للعہ ۴۰
گلکدہ - مرزا محمد ہادی عزیز ---- للعہ ۴۰
قصائد عزیز - " ---- للعہ ۴۰
کلیات ناسخ - شیخ امام بخش ناسخ قلمی ---- ۵۰ے
سیرۃ النعمان - شبلی نعمانی ---- ۵ے
واقعات انیس - میر مہدی حسن ---- ۲ے
روح نظیر - مرتبہ محمد محمود ---- ۵ے

نگار بک ایجنسی لکھنؤ

افسوس ہے کہ پریس کا موٹر خراب ہو جانے کی وجہ سے پرچہ آٹھ دن کی تاخیر سے نکل رہا ہے - منیجر نگار

داہنی طرف کا صلیبی نشان علامت ہے اس امر کی
آٹھ روپیہ چودہ آنے میں دی - پی ہوگا جس میں

نگار

کہ آپ کا چندہ جولائی میں ختم ہو گیا اور اگست کا "نگار"
سالنامہ ۱۹۵۶ء کی قیمت (مع مصارف رجسٹری) بھی شامل ہے

اڈیٹر : نیاز فتحپوری

جلد ۲۸	فہرست مضامین جولائی ۱۹۵۵ء	شمارہ ۱

ملاحظات ---------- ۳
اثر لکھنوی کی غزل گوئی ---- پروفیسر ارشد کاکوی ---- ۵
فنِ تحریر کی تاریخ ---------- محمد اسحاق صدیقی ---- ۱۲
حضرت جوش ضیح آبادی کا ایک طنزیہ شاہکار --- جوش ----- ۱۵
میر کی ایک غیر مطبوعہ مثنوی ---- ڈاکٹر گیان چند جین ----- ۱۸
گاہے گاہے باز خواں ---------- ۲۷
مشاعرۂ نگار ---------- ۲۹
منظومات --- فضا ابن فیضی، ارشد کاکوی، ساغر جاوید، رمزی ترمذی - ۳۱
تتمہ سالنامہ ۱۹۵۵ء ---------- ۱ — ۲۴

ملاحظات

پاکستان ـــــ سرزمین اغلاط و اضداد

حکومت کی مثال ایک ایسی ترازو کی سی ہے جس کے دونوں پلڑے برابر رہیں اور پاکستان کے کسی سکہ میں ترازو کا نشان بھی شاید اسی حقیقت کے ظاہر کرنے کے لئے تجویز کیا گیا ہے۔ لیکن خود وہاں کے اندرونی حالات کیا ہیں اور پاکستان کی کشتی کس ڈانوا ڈول حالت میں ہے اس کا اندازہ آپ کو ذیل کے بعض واقعات سے ہو سکتا ہے :

لاہور فیڈرل کورٹ کے اصرار و مشورہ پر پاکستان میں دستوری اسمبلی کا انتخاب آخر عمل میں آ ہی گیا اور تاریخ انتخاب ہیں یہ بالکل پہلا واقعہ ہے کہ دو تین ہفتوں کے اندر ہی انتخابی کارروائی کے تمام منازل اتنی آسانی سے طے کر لئے جائیں۔ چنانچہ پنجاب کے بعض اخباروں نے اس طلسمی انتخاب کا پردہ فاش کرتے ہوئے ظاہر کیا ہے کہ قانون، اخلاق اور انسانیت کا کوئی پہلو ایسا نہیں جسے موجودہ برسر اقتدار پارٹی نے اس انتخاب میں پامال نہ کیا ہو۔ اور پھر بھی وہ کھلی ہوئی اکثریت حاصل کرنے سے قاصر رہی ۔ اس لئے ہو سکتا ہے کہ کسی شکست خوردہ پارٹی یا امیدوار کی طرف سے یہ سوال اٹھایا جائے اور موجودہ دستوری اسمبلی پھر معطل کر دی جائے کیونکہ جسٹس کیانی اس سے قبل کھلے الفاظ میں ظاہر کر چکے ہیں کہ اگر دستوری اسمبلی کے انتخاب میں ناجائز دباؤ سے کام لیا گیا اور عوام کی صحیح نمائندگی اسے حاصل نہ ہوئی تو وہ کالعدم متصور ہوگی۔

زیادہ زمانہ نہیں گزرا جب مسٹر فضل الحق کو مسٹر محمد علی نے "غدار" ظاہر کر کے ان کے خلاف قانونی اقدام کا بھی ارادہ ظاہر کیا تھا اور مشرقی بنگال میں گورنر راج قائم کر دیا گیا تھا تاکہ فضل الحق وزارت نہ بنا سکیں، لیکن جب محمد علی اسمبلی کے لئے مسلم لیگ کے ٹکٹ پر مشرقی بنگال سے کھڑے ہوئے، تو وہاں نہ گورنر راج باقی رہا نہ فضل الحق کی غداری، بلکہ وہاں کی وزارت فضل الحق پارٹی کے سپرد کر دی گئی اور اسی کے ساتھ یہ بھی یقین دلایا گیا کہ مشرقی بنگال کی خود مختاری کو کرنسی، دفاع اور خارجہ سیاست کی حد تک وسیع کر دیا جائے گا، وہاں پارلیمنٹ کا اجلاس بھی باری باری ہوگا اور وہاں کی زبان کو بھی اردو کے متوازی سرکاری زبان قرار دیدیا گیا۔

پاکستان کا وجود اس سے قبل عبارت تھا صرف ایک غیر منقسم وحدت سے، لیکن اب وہ مشرق و مغرب دو حصوں میں تقسیم ہوگا اور دونوں حصوں میں توازن

قایم رکھنے کے لئے وہی اصول پیش نظر ہیں، جو دو مختلف حکومتوں میں بقاء توازن کے لئے ضروری سمجھے جاتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ یہ پالیسی مغربی بلاک کی تحریک سے اختیار کی گئی ہو تاکہ اس طرح مغربی پاکستان، ممالک عرب کے دفاعی منصوبہ میں ترکی و عراق کے ساتھ وابستہ رہے اور مشرقی پاکستان مشرقی جنوبی ایشیا کے دفاعی منصوبہ کا مرکز بن سکے یعنی پاکستان کا مغربی ٹکڑا روس کے دباؤ کو کم کرے اور مشرقی پاکستان چین کے اثرات کو۔۔۔ پاکستان کی تقسیم دو وحدتوں میں اگر محض اقتصادی و انتظامی مصالح کے بنیاد پر ہوتی تو مغربی پاکستان کی رائے عامہ غالباً اسے قبول کرلیتی، لیکن چونکہ مشرقی بنگال اب وہی حیثیت حاصل کرنا چاہتا ہے جو کسی وقت عہد مغلیہ میں بنگال کے گورنروں کو حاصل تھی، اس لئے پاکستان کے استحکام کو یقیناً اس سے صدمہ پہونچے گا اور اسی لئے مغربی پاکستان کے بعض مقتدر اخبارات اس تقسیم کے سخت مخالف ہیں۔

لاہور کا روزنامہ "ملت" لکھتا ہے کہ: "مسٹر محمد علی محض ذاتی اغراض کی بناء پر حق پارٹی کے ساتھ مل کر پاکستان کی مرکزیت کو کمزور کر رہے ہیں اور حق پارٹی کے جو مطالبات انھوں نے تسلیم کئے ہیں وہ پاکستان کے دونوں حصوں کے درمیان ایک وسیع خلیج حایل کردینے والے ہیں"۔

کراچی کے روزنامہ انجام نے مسٹر محمد علی سے استعفے کا مطالبہ کیا ہے کیونکہ انھوں نے دو قومی زبانیں تسلیم کرکے نہ صرف قایدِ اعظم کی مخالفت کی ہے بلکہ پاکستان کی وحدت کو بھی مجروح کردیا ہے۔

مسٹر سہروردی، جن توقعات کے ساتھ پاکستان کی کابینہ میں شریک ہوئے تھے وہ پوری نہ ہوسکیں اور دستوری اسمبلی کے انتخاب کے بعد وزارتِ عظمیٰ کا خواب، خوابِ پریشاں ہوکر رہ گیا۔ اس لئے عوامی لیگ کے سرخیل مسٹر سہروردی ایک مخالف محاذ بنانے پر آمادہ ہے اور کہہ رہے ہیں کہ "روس، محمد علی کو کئی بار دعوت دے چکا ہے اور اگر امریکی امداد جلد نہ ملی تو وہ روس سے معاملہ کرنے کے لئے طیار ہیں"۔ اس سے سہروردی کا مقصود غالباً یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ محمد علی کی طرف سے امریکہ کو بدظن کردیں اور اسے اپنا طرفدار بناکر پاکستان کی وزارتِ عظمیٰ تک پہونچ جائیں۔

پاکستان میں یہ تضاد صرف سیاسیات ہی تک محدود نہیں ہے بلکہ اس کا دائرہ معاشرت و اخلاق اور مذہب و ثقافت تک وسیع ہے۔ ایک طرف ملائیت و اسلام دوستی کا یہ زور کہ:۔ عیدگاؤں کے ایک اسکول کو ۳۰۰ مولویوں نے پتھراؤ کرکے عمارت کو مسمار کردیا، دفتر جلادالا، لائبریری کی کتابیں پھاڑ ڈالیں محض اس تصور پر کہ وہاں کے ایک ڈرامہ میں جو اسکول فنڈ کی فراہمی کے لئے کیا گیا تھا لڑکیوں نے بھی شرکت کی تھی، دوسری طرف اخلاق اسلامی کی توہین کا جو عالم ہے اسے "مسلمان" اخبار کی زبانی سن لیجئے۔ وہ لکھتا ہے کہ: "شام کے وقت کراچی میں بیشمار لڑکے آپ کو ایسے نظر آئیں گے جو ہر خوش پوش نوجوان کے پاس جاکر پوچھتے پھریں گے کہ۔ "آپ کو پنجابی، سندھی، پارسی، بنگالی، سرحدی، عیسائی لڑکیوں میں کونسی لڑکی کس عمر، کس قیمت اور کس معیار کی درکار ہے"۔

ہفتہ وار ماحول (کراچی) رقمطراز ہے کہ:۔ "کراچی کے ہوٹلوں میں وہ کمرے جو فیملی کے لئے مخصوص ہیں، روزانہ شام کو بن بیاہے جوڑوں سے آباد ہوجاتے ہیں اور صبح کو پھر دوسرے جوڑے کے لئے خالی کردئے جاتے ہیں۔ شام کے وقت کراچی کی ہر تاریک مگر کھلی ہوا فضا حسن و محبت کی فضا میں تبدیل ہوجاتی ہے اور ہر کاروبار عشق نہایت آزادی سے شروع ہوجاتا ہے۔ یہاں تک کہ گورنر جنرل کے قصر سے ملی ہوئی کشادہ زمین بھی اس شرف سے بے بہرہ نہیں"۔

روزنامہ انجام کراچی لکھتا ہے کہ: "حیدرآباد میں ۲۵ باضابطہ قحبہ خانے قایم ہیں، لیکن ان کے علاوہ دوسرے مقامات پر بھی ہزاروں عورتیں جھونپڑے سے لیکر قصور و محلات تک کی رہنے والیاں اپنے جسم کا سودا کرنے کے لئے ہر وقت طیار رہتی ہیں"۔

یونتو اردو اب بھی سارے ہندوستان کی زبان ہے اور پہلے بھی تھی، لیکن تقسیم ہند کے بعد پاکستان کو وہ ایک مخصوص ترکہ یا ورثہ کی صورت میں ملی جس کے بقاء و تحفظ کی ذمہ داری قایدِ اعظم نے بھی لی تھی اور یہ بات طے کردی تھی کہ پاکستان کی ملکی و قومی زبان اردو ہوگی، لیکن اب وہاں دو قومی زبانیں ہیں، ایک اردو اور دوسری بنگالی جس کے معنی یہ ہیں کہ نصف بلکہ نصف سے کچھ زیادہ آبادی کی زبان اردو نہ رہے گی، پھر اس کو بھی جانے دیجئے اور فرض کرلیجئے کہ اردو کو صرف مغربی پاکستان ہی کی قومی زبان دینا مناسب ہے، تو بھی پاکستان کے ارباب قضا و قدر سے یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ اس کے بقاء و تحفظ اور نشر و اشاعت کے لئے انھوں نے اب تک کیا کیا اور انگریزی کی جگہ لینے کیلئے اردو کو دفتری زبان بنانے کے لئے کیا اقدامات عمل میں آئے۔ جبکہ ہندوستان جس کی قومی زبان ہندی ہے، یہاں کی انجمن ترقی اردو کو سالانہ ۴۰ ہزار کی مستقل امداد دے رہا ہے، متعدد ادیبوں، مصنفوں اور شاعروں کے وظایف مقرر کرچکا ہے اور اردو تصانیف پر ہزاروں روپیہ سالانہ کے انعامات دے رہا ہے۔

ہمیں پاکستان کی اس زبوں حالی کو دیکھ کر اہل پاکستان سے زیادہ افسوس ہوتا ہے، کیونکہ ہندوستان کے مسلمانوں کو اپنی قومی و اجتماعی سربلندی پر فخر کرنے کا موقع اسی وقت مل سکتا ہے جب دنیا کی حکومتوں میں پاکستان کا سر ہمیں اونچا نظر آئے۔

آثر لکھنوی کی غزل گوئی

تارِ تارِ جاں ہے لبریز نوائے آشنا آشنا ہوں تو اثر ساز شکست دل سے ہم (آثر لکھنوی)

آثر لکھنوی عالم بھی ہیں، ادیب بھی اور شاعر بھی۔ اُن کی ان تینوں حیثیتوں کا تجزیہ کرنے کے بعد ان کی شخصیت کا تنوع اور اس کی ہمہ گیری کا اندازہ اس سے کیجئے کہ وہ محقق بھی ہیں اور ناقد بھی۔ افسانوں اور ڈراموں سے بھی انھیں شیفتگی ہے اور خالص علمی اور فنی مباحث میں بھی اُن کے فیصلے "حرفِ آخر" کی حیثیت رکھتے ہیں اور اگر آپ صرف اُن کی شاعری ہی کو لیجئے تو وہ ہر صنف پر یکساں قدرت رکھتے ہیں۔ انھوں نے طویل نظمیں بھی لکھی ہیں اور مختصر نظمیں بھی۔ رباعیات و قطعات کی بھی خاصی تعداد موجود ہے۔ بنگلا اور انگریزی کی متعدد نظموں کے منظوم و منثور ترجمے بھی کئے ہیں۔ دو ایک مثنویاں بھی لکھی ہیں اور چند ہندی مثنویوں کے ترجمے بھی کئے ہیں اور غزلوں کا تو اُن کے یہاں ایک بڑا سرمایہ ہے۔ ذیل میں اُن کی مطبوعہ تصانیف نظم و نثر کی ایک فہرست پیش کی جاتی ہے۔ ان کے علاوہ تقریباً اسی قدر تصانیف غیر مطبوعہ ہیں:-

نظم :-
(۱) اثرستان ——— پہلا مجموعۂ کلام
(۲) بہاراں ——— دوسرا مجموعۂ کلام
(۳) لالہ و گل ——— رُباعیات و قطعات کا مجموعہ
(۴) نغمۂ جاوید ——— بھگوت گیتا کا مکمل منظوم ترجمہ (مع شرح)
(۵) رنگ بسنت ——— مختلف زبانوں کی منظومات کا منظوم ترجمہ
(۶) زنگاری بیگم ——— ایک فرانسیسی مزاحیہ ڈرامے کا منظوم ترجمہ
(۷) ہلاکِ فریب ——— ایک یونانی ڈرامے کا ترجمہ

نثر :-
(۸) انیس کی مرثیہ نگاری ——— ایک انتقادی جائزہ
(۹) مطالعۂ غالب ——— انتخاب کلام غالب مع مقدمہ و شرح (بعض اشعار)
(۱۰) مزا میر - (دو جلدوں میں) - انتخاب کلام میر مع مقدمہ و شرح (بعض اشعار)
(۱۱) آثر کے تنقیدی مضامین ——— تنقیدی مقالوں کا مجموعہ
(۱۲) چھان بین ——— تنقیدی مقالوں کا مجموعہ

ان کے علاوہ نثر میں "اُردو زبان کی ترتیبِ نو" اور نظم میں "سیہ چشمانِ کشمیر" کے عنوان سے ان کی دو مستقل تصانیف الحمرا (لاہور) میں مسلسل شایع ہوتی رہی ہیں۔

آثر صاحب کے نثری کارناموں کا بیشتر حصہ بھی شاعری اور شاعروں سے متعلق ہے اس لئے مجھے کہہ لینے دیجئے کہ ان کی بنیادی حیثیت ایک شاعر کی ہے۔ ایسے شاعر کی جسے فن اور عروض پر قابلِ رشک قدرت حاصل ہے اور جس کی زبان و بیان اور رنگ و آہنگ میں ایک استادانہ شان ہر جگہ نمایاں ہے۔ انھوں نے زبان محض کتابوں سے اور بول چال سے نہیں سیکھی بلکہ انھوں نے بڑی بڑی مستند لغات کو کھنگال ڈالا ہے۔ مقامی بولیوں اور محاوروں پر اُن کی نظر بڑی گہری ہے اور جہاں تک وسعتِ مطالعہ کا تعلق ہے آثر صاحب اس دور کے چند وسیع المطالعہ لوگوں میں شمار کئے جانے کے مستحق ہیں۔ عربی، فارسی، اُردو کے علاوہ سنسکرت سے بھی کسی حد تک واقف ہیں اور انگریزی کا مطالعہ بھی خاصہ وسیع ہے۔ آثر صاحب اپنے

تنقیدی مقالوں کی گرم بازاری کے پیش نظر بحیثیت ایک نقاد کے بڑی شہرت حاصل کر چکے ہیں - ہاں ان کی شاعری پر کم توجہ دی گئی ہے، چنانچہ میں اس وقت اثر صاحب کی غزلیہ شاعری کے بارہ میں مختصراً اپنے خیالات کا اظہار کروں گا -

آج سے کوئی بیس بائیس سال قبل نیاز صاحب نے اثر صاحب کے تقریباً ڈیڑھ سو منتخب اشعار کا ایک گلدستہ اپنے مقدمہ کے ساتھ بنام "گلہائے جعفری" شایع کیا تھا - اس کے علاوہ نظامی بدایونی نے جو بدایوں کے مشہور اخبار "ذوالقرنین" کے اڈیٹر تھے اثر صاحب کی غزلوں کا ایک انوکھا انتخاب پیش کیا تھا - انوکھا اس طرح کہ انھوں نے پچاس مطلع لئے تھے، پچاس درمیانی شعر اور پچاس مقطع - اور سنئے وہ ہر روز اپنے اخبار کا اداریہ اثر صاحب کے ایک شعر سے شروع کرتے اور انھیں کے ایک شعر پر ختم کرتے، گویا وہ اثر صاحب کے اشعار سے سیاسی اور سماجی کام لیتے تھے - کہنے والے کہتے ہیں کہ اُن کا اداریہ اشعار کی شرح معلوم ہوتا تھا - کوئی ڈیڑھ سال ادھر نیاز صاحب نے نگار میں اثر صاحب کے کلام کا ایک اور انتخاب شایع کیا تھا - مولوی اختر نہری نے بھی اثر صاحب کی شاعری پر دو ایک مقالے لکھے تھے جو میری نظر سے نہیں گزرے -

اثر صاحب کا دوسرا مجموعۂ کلام "بہاراں" جو میرے پیش نظر ہے اُن کی سوا چار سو غزلوں اور ڈیڑھ سو متفرق اشعار پر مشتمل ہے - ان کا پہلا مجموعۂ کلام "اثرستان" بھی خاصہ ضخیم اور بھاری بھرکم ہوگا اس لئے کہ بہاراں (دیوان دوم) میں اثرستان (دیوان اول) کا ایک انتخاب بھی شامل ہے جو سوا سو صفحات کو محیط ہے - "بہاراں" کے بعد بھی اثر صاحب برابر کہتے رہے ہیں اور اگر انھیں یکجا کیا جائے تو خاصہ ضخیم تیسرا دیوان مرتب ہو سکتا ہے - دیکھئے اس کی اشاعت کی نوبت کب تک آتی ہے -

میرا اثر صاحب سے غائبانہ تعارف ان کی تنقیدوں سے ہوا اور میں نے اُن کے بیسیوں مضامین پڑھ ڈالے - اتنا تو مجھے معلوم تھا کہ اثر صاحب شاعر بھی ہیں - پُرگو بھی اور قادر الکلام بھی، لیکن چونکہ اثر صاحب کو اپنے وطن لکھنؤ سے عشق کی حد تک لگاؤ ہے اور وہ کسی سے لکھنؤ کی زبان یا اس کی روایات کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں سن سکتے میں نے اپنے طور پر یہ سوچ رکھا تھا کہ اثر صاحب کی شاعری بھی لکھنوی مزاج کی شاعری ہوگی یعنی وہاں قسم کے بزرگ شاعر ہیں لیکن اُن کی شاعری کی اثر آفرینی کی طرف سے میں بدگمان سا ہو چلا تھا کہ ایک دن میرے ایک دوست نے مجھے اثر صاحب کا یہ شعر سنایا ؎

ہم اپنے حالِ پریشاں پہ مسکرائے تھے — زمانہ ہو گیا یوں بھی تو مسکرائے ہوئے

تو مجھے اپنی رائے میں ایک ارتعاش سا محسوس ہوا اور اس کے بعد میں نے اثر صاحب کی تقریباً ایک ہزار غزلیں چھان ڈالیں - اس مقالہ کو اسی مطالعہ کا ردِ عمل سمجھئے -

میں نے اوپر عرض کیا ہے کہ اثر صاحب کے مزاج میں بڑا تنوع اور ان کی شخصیت میں بڑی رنگارنگی ہے اور آپ جانتے کہ صنفِ غزل بذاتِ خود "جامِ جہاں نما" ہے، چنانچہ ظاہر ہے کہ اثر صاحب کی رنگارنگ متنوع شخصیت کو اپنے اظہار کے لئے کتنا وسیع میدان ہاتھ آیا ہوگا - ان کی غزلیہ شاعری بھی اُن کی ہمہ جود ہمہ گیر فطرت کی آئینہ دار ہے - جہاں تک نازک نیاز کی داستانوں کا تعلق ہے انھیں تو ہونا ہی چاہئے تھا، چنانچہ وہ ہیں اور اپنی تمام نزاکت و لطافت کے ساتھ ہیں - اس کے علاوہ اثر صاحب کے یہاں انسانی نفسیات کا مطالعہ بھی ملتا ہے تصوف کی دھوپ چھاؤں بھی ہے - منظر نگاری بھی ہے - اخلاقی نکات بھی ہیں، فلسفیانہ خیالات بھی ہیں - غرضکہ ایک پختہ شعور انسانی سے وابستہ داخلی اور خارجی محرکات کے وہ تمام عناصر موجود ہیں جو آدمی کو انسان اور انسان کو شاعر بنا دیتے ہیں -

نیاز صاحب کا اپنے متعلق یہ قول کہ جتنا اُنس انھیں لکھنؤ سے ہے اتنا ہی اختلاف یہاں کی شاعری سے اثر صاحب پر بھی صادق آتا ہے اثر صاحب کے کلام میں لکھنوی طرزِ سخن کی جزئیات نہیں کے برابر ہیں - ابتذال اور سوقیانہ پن شاید اُن کے یہاں بالکل نہیں ملے گا - بے کیف اور بے رنگ

اشعار تو آپ کو ملیں گے لیکن اُن کی بے کیفی اور بے رنگی کا سبب منفی ہے مثبت نہیں یعنی یہ کہ اس میں کچھ نہیں ہے نہ یہ کہ اس میں بہت کچھ ہے۔ لکھنوی شاعری میں جو جوڑ توڑ، داؤں پیچ، اور توڑ مروڑ والی فضا عموماً ملتی ہے اس فضا سے اثر صاحب کا کلام پاک ہے اور انکے کلام کا بیشتر حصہ داخلی کیفیات کا حامل ہے۔ تو پھر کیا سبب ہے کہ ان کی شاعرانہ حیثیت کو نظر انداز کیا جاتا رہا ہے۔ اس کے مختلف اسباب ہیں۔ ایک سبب تو یہ ہے کہ اثر صاحب کی تنقید نگاری بہت سے لوگوں کے لئے ناقابل برداشت رہی ہے اور ادبی حلقہ اُن کی سخت گیری کی بنا پر اُن کی طرف سے ارادتاً اغماض برتنے لگا ہے۔ تنقید اور تحقیق کی دُنیا میں کم سواد لوگ جب اُن کے سامنے ٹھہر نہ سکے تو انتقاماً انھوں نے اثر صاحب کی شاعری کو نظر انداز کرنے کی کوشش کی۔ دوسرا سبب اثر صاحب کی "پُرگوئی" ہے۔ انھوں نے محض "موزونی طبع" کے بل پر بھی شاعری کر کے اپنے کلام کی ضخامت بڑھائی ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اچھے، تیز اور پیارے اشعار بھی دب دبا کر رہ گئے۔ زیادہ کہنا کوئی کمال کی بات نہیں - بادہ نوشی کا معیار "کم کم خوری" ہے، اور حسنِ خرام عبارت ہے "آہستہ خرامی" سے - اسی اصول کو شاعری میں برتنا چاہئے۔ اثر صاحب شاید لکھنوی تکلفات اور مجاسی رکھ رکھاؤ کے پیشِ نظر زیادہ کہنے پر مجبور ہوئے ہوں - بہر حال بھرتی کے اشعار اُن کے یہاں کثرت سے ملتے ہیں۔ تیسرا سبب یہ ہے کہ انھوں نے خالص لکھنوی اشعار کہکر بھی کچھ لوگوں کو بدگمان کیا ہے۔ اُن کا شعری مزاج لکھنوی نہیں لیکن لکھنوی مزاجِ شاعری سے اُن کا ایک مارک سا رشتہ رہا ہے اور کبھی کبھی انھوں نے ایسے اشعار بھی کہہ دئے ہیں ؎

چلا چل اے دل سنا ہے قاتل نے تیغ کھینچی غلاف پھینکا — لہو سے تر ہے زمین ایسی کہ پاؤں سب کے پھسل رہے ہیں
اتنے ہی میں تلنے لگیں پلکوں کی سنانیں — اور ابروں نے نیچے تن تن کے سنبھالے
اثر کو وہ خنجر سے دھمکا رہے ہیں — وہی اپنے سائے سے ڈر جانے والے

اس قسم کے اشعار کم اور بہت کم سہی مگر ہیں۔ ان کے علاوہ کبھی کبھی اثر صاحب اشعار میں کسی خاص محاورے، فقرے یا مقامی بولی کو محفوظ کر دینے کی خاطر فکر کرتے ہیں مثلاً ؎

آہ کیوں دُور دُور پھرتے ہو، — ہم میں تم میں تھا ہیل میل کبھی
ایک مُدت سے خشک ہیں آنکھیں — یا کبھی دو نگڑے برستے تھے،

اِن دونوں اشعار میں "اشک و آہ" کی کیفیت پر دو الفاظ مسلط ہیں اور یہ بالکل شاعر کی نمایاں کوشش معلوم ہوتی ہے۔ اثر صاحب نت نئی انوکھی زمینوں کی تلاش و جستجو میں بھی رہتے ہیں، اس قسم کی کاوشوں میں داخلیت کا عنصر اگر ہوتا بھی ہے تو نمایاں نہیں ہونے پاتا لیکن ان تمام باتوں کے باوجود مجموعی طور پر اثر صاحب کی شاعری پُر اثر اور پاکیزہ ہے۔ اُن کے یہاں اچھے اور پیارے اشعار تو خیر کافی تعداد میں مل جاتے ہیں تیر و نشتر کی بھی اُن کے یہاں کمی نہیں -

اثر صاحب اپنی جن خصوصیات کی بنا پر مشہور ہیں ان میں ان کی تیر پرستی بھی ہے۔ تیر کی حمایت میں وہ کئی بڑے ہنگامہ آفریں ادبی معرکے لڑ چکے ہیں اور تیر کے خلاف وہ کچھ نہیں سُن سکتے۔ ظاہر ہے کہ اُن کی تیر پرستی کا اثر اُن کی شاعری پر پڑنا لازمی تھا، چنانچہ پڑا۔ تیر کی سی خستگی و برشتگی اور خلش و تپش تو اثر صاحب کے یہاں بہت ڈھونڈھنے کے بعد کہیں کہیں ملے گی لیکن دل میں اثر کرنے والے سادے اشعار بغیر تلاش کئے ملجاتے ہیں۔ اُن کے یہاں سوز و گداز بھی ہے اور لب و لہجہ کی درد مندی بھی۔ تیر کی سی وہ تیز داخلیت اور وہ تیز نشتریت اثر صاحب کے یہاں ملے بھی تو کیسے ملے۔ تیر کا ماحول، اُن کے خاندانی حالات، اُن کا فطری مزاج، اُن کا عاشقانہ المیہ، اُن کی تنگدستی و زبوں حالی، نواب جعفر علی خاں اثر کو نہیں ملی۔ ان کو جاہ و ثروت، عزت و شہرت، اطمینان و دولت سبھی کچھ ملا۔ لہٰذا اثر صاحب کے یہاں ان کے ممدوح شاعر تیر کے نقوش کی تلاش ہی ضروری نہیں۔ یہی کیا کم ہے کہ اثر صاحب کی طبیعت و فطرت کا خاص رنگ، اور اُن کی اپنی خلش و تپش، آسودگی و سرشاری کے بظاہر تمام وسایل کے باوجود اُن کے فن میں اُتر ہی گئی۔ تیر کے بعد اثر صاحب غالب کے قایل ہیں اور میرا خیال ہے کہ انھوں نے تیر اور غالب دونوں کے اسلوب سخن کو اپنے جذبات کے اظہار کا وسیلہ بنایا ہے اور اس طرح کہ اُن کی اپنی شخصیت و انفرادیت نمایاں رہی ہے - نیاز صاحب کے اس خیال سے کہ تیر و مرزا

دونوں کا رنگ اثرؔ صاحب کے یہاں تکمیل کے ساتھ پایا جاتا ہے، اتفاق کرنا ہی ہوگا۔ اثرؔ صاحب کا ایک شعر ہے اور اسے نظریاتی شعر سمجھئے:

میر و غالب سے اثرؔ ہے گرمیِ بزمِ سخن — وہ خدائی کر گیا اور یہ پیمبر ہو گیا،

اسی غزل میں غالب کا رنگ بھی دیکھ لیجئے۔ کتنا نمایاں ہے ؎

شوخیِ جلوہ دم آرایشِ گیسو نہ پوچھ — آئینہ اک پیکرِ رگ ہائے جوہر ہو گیا

ویسے اثرؔ صاحب کا کلام "جلوۂ صد رنگ" ہے۔ غالب کی معنی آفرینی بھی یہاں ملے گی اور میر کی الم ناکی اور جانگدازی بھی۔ مجموعی طور پر اثرؔ صاحب کی شاعری سادگی و پرکاری کا امتزاج ہے۔

جہاں تک میر کے اثر کا تعلق ہے یہ اثر دانستہ بھی ہے اور غیر دانستہ بھی۔ مثلاً ان کا یہ شعر دیکھئے:

کاہشِ انتظار نے مارا، — اپنی بھی اب خبر نہیں آتی

یہ کیفیت اثرؔ صاحب کی اپنی ہو تو ہو، ذہن فوراً میر کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔

بے خودی لے گئی کہاں ہم کو — دیر سے انتظار ہے اپنا

بہرکیف اب اس بحث کو جانے دیجئے۔ اب دیکھئے کہ اثرؔ صاحب کے یہاں کیسے کیسے لطیف و نازک اشعار موجود ہیں۔ محبت کی نازک اور سچی کیفیات کے بڑے دلپذیر و دلنواز نقوش اُن کے کلام میں بکھرے پڑے ہیں ان میں "جذبات نگاری" بھی ہے اور "مرقع کشی" بھی "ادا شناسی" بھی ہے اور "شوخیِ بیان" بھی ؎

نظر سوئے زمیں ہے گوشۂ دامن ہے ہاتھوں میں — معاذ اللہ کوئی کیا کہے ایسے پشیماں کو،

کاہیکو ایسے ڈھیٹ تھے پہلے جھوٹی قسم جو کھاتے تھے — غیرت سے آجاتا پسینہ آنکھ نہ ہم سے ملاتے تم

قاصد پیام ان کا نہ کچھ دیر ابھی سُنا — رہنے دے محوِ لذتِ ذوقِ خبر مجھے

کیوں پیار سے دیکھا دلِ مجروح اثرؔ کو — یہ لطف و کرم پہلے تو اس پر نہ ہوا تھا

حیران تم ابھی تھے بے تاب تم ابھی ہو — سچ سچ اثرؔ بتاؤ دل آیا کس حسیں پر

چہرے کا رنگ دیکھئے آئینے میں اثرؔ — سہتے چلے ہیں دردِ دل اس بے وفا سے آپ

میں کیا سناؤں دردِ محبت کا ماجرا — حد ہو گئی کہ تم سے شکایت نہیں رہی،

خبر یہ کیا تھی کہ راتوں کی نیند لوٹیں گی — وہ مست آنکھیں وہ فرمائشیں فسانے کی

زیادہ مثالیں غیر ضروری ہیں۔ مذکورۂ بالا اشعار سے کیفیتِ محبت اور اس کی نفسیاتی صداقت چھلک رہی ہے۔ بالکل بولتے ہوئے جذبات و احساسات ہیں۔ یہ اشعار شاعر کے "راہِ محبت" سے گزرنے کی دلیل ہیں۔ امیدوں کی روشنی، ناامیدیوں کے سائے، ناز حسن و نیازِ شوق۔ محبوب کی تصویر، بزمِ یار کے نقشے — سبھی کچھ تو ہے۔ کیفیاتِ محبت کا ذکر اس پیرائے میں کرتے ہیں کہ اثرؔ صاحب کی شاعری کے خلوص کا قایل ہو جانا پڑتا ہے۔ خاموشی سے دل میں اُتر جانے والے اشعار کو بھی دیکھئے۔ ان کی سادگی اور گھلاوٹ ظاہر ہے ؎

رات کو ایسی ہوک دل میں اٹھی — اک گرہ رہ گئی جہاں دل تھا

عشق سے لوگ منع کرتے ہیں، — جیسے کچھ اختیار ہے اپنا،

وہ بات پوچھ لے تو بڑی بات ہے اثرؔ — بیٹھے ہیں آپ شکووں کا دفتر لئے ہوئے

لہو بدن میں رہا اور نہ آنکھ میں آنسو — اب اس کے بعد گلہ تھا اگر دعا کرتے

سعیِ مشکور کو تدبیر کہا — سعیِ ناکام مقدر ٹھہری

نہ چھیڑئے گا نہ بولے گا کہ اب ہے کچھ دن سے اور عالم — جسے رُلاتے تھے آپ ہنسکر اثرؔ وہ پہلا اثر نہیں ہے

ہائے کیا چیز ہے محبت بھی — دل کسی حال میں بُرا نہ ہوا
دور سے گاہ گاہ ایک نگاہ — اس کو بھی مدتِ مدید ہوئی
دلِ غمدیدہ کانپ کانپ اُٹھا — یاس کے بعد جب امید ہوئی

حیف نہ آئے، تم نے نہ دیکھا تار دل کی آنکھ جھپکتی رہی — نوکِ مژہ پر آخرِ شب تک بوند لہو کی جھلکتی رہی
وضع بھی کوئی شے ہے آخر دل کو اثر سمجھانا تھا — در سے کسی کے اک بار اُٹھکے کاش دوبارہ نہ جاتے تم
اُن کی حسرت نہ پوچھ جو تارے — دامنِ صبح میں بکھر جائیں
رہے گا یہ تم سے گلہ عمر بھر — تامل کیا پھر تلطف کیا

ایسے کئی اشعار اور ہیں جن کے بغیر اُردو شاعری کا انتخاب مکمل نہ ہوگا۔ ان تمام اشعار میں بلا کی جانگدازی ہے۔ یہاں میر کا رنگ ہے لیکن اس رنگ کا آب و تاب اور چمک دمک اثر صاحب کے خونِ دل کی ممنون ہے۔ یہ اثر آفرینی یونہی نہیں آئی۔ یہ وہی "عطیۂ خاص" ہے جو میر کو قدرت نے بخشا تھا ؎

شعرِ آخر کہ ہے عطیۂ خاص — اثر اعجازِ میرِ کامل تھا

اب ذرا ان اشعار کو بھی دیکھتے چلئے جن میں "لطفِ زبان" ہے۔ یہ اثر صاحب کی خاص روش ہے۔ بڑے مزے میں بڑی گہری باتیں کہہ جاتے ہیں ؎

کسی بیکس کا دل دکھانے سے — کیا ملا آپ کو بھلا کہئے
دھوئیے جان سے اب ہاتھ اثر — کیجئے اور محبت کیجئے
شکوے تھے صرف لذتِ گفتار کیلئے — مٹ جاؤ روٹھتے نہیں بیکار کیلئے
اثر زار سے یہ بیزار ہی — اک نظر دیکھنا بھی شاق ہوا

ایسے پیارے اور نازک اشعار جن کی لطافتِ بیان اور صداقتِ کیفیت پر وجد آتا ہے کے ساتھ اس قسم کے اشعار جن میں محض "مبالغہ آرائی" ہے، بہت گراں گزرتا ہے مثلاً ؎

لے جائیں ہاتھوں ہاتھ اُسکی لاش کو — ایسا اب اس نگاہ کا گھایل کہیں نہیں
تیغ رُکتی ہے تو دم رُکتا ہے — کون کہتا ہے رعایت کیجئے

ایسے اشعار کو دیوان میں نہیں ہونا چاہئے تھا۔ ان سے غزل کی مجموعی فضا اور ہم رنگی پر بُرا اثر پڑتا ہے۔ نازو نیاز کی داستانوں کے علاوہ بھی اثر صاحب کی غزلوں میں بہت کچھ ہے جس سے ان کے رجحانات و نظریات کی نقاب کشائی ہوتی ہے۔

ان کے کلام سے اس کا اندازہ ہوتا ہے کہ تصوف سے اثر صاحب کو خاصہ شغف رہا ہے اور اُن کے کلام کا "متصوفانہ" رنگ محض روایاتی اور مستعار نہیں۔ تصوف اور شاعری کا ساتھ جتنا عام ہے اسی قدر ان دونوں کا صحیح "نباہ" بہت مشکل ہے۔ میں تو اس حد تک کہنے کو طیار ہوں کہ اصغر گونڈوی نے بھی شعر اور تصوف کی ترتیب سے جو بادۂ سخن طیار کی تھی وہ "دو آتشہ" نہ ہوسکی۔ اثر صاحب کے کلام کا متصوفانہ رنگ دلکش اور دلنواز ہے۔ صرف اسی ایک شعر کو لے لیجئے:

میں سمجھتا ہوں تری جلوہ گری کا منشا — لطف ہے ساغرِ لبریز کے چھلکانے میں

خیال کی عظمت و وسعت اور بیان کی نزاکت و لطافت ظاہر ہے۔ متصوفانہ اشعار کی خوبی کا راز یہ ہے کہ وہ خالص متصوفانہ خیال کے حامل ہوتے ہوئے بھی اپنے اندر ایک وسعتِ معنی رکھتے ہوں اور یہ چیز اُس وقت ہاتھ آتی ہے جب شاعر "مسایلِ تصوف" کا کتابی تجزیہ کرنے کی بجائے اپنی ہستی کو مشاہدہ و مطالعۂ کائنات میں گم کردے اور تب اس کے قلم سے جو بات نکلے گی اُن میں آسمان کی بلندی کے ساتھ ہی ساتھ بادلوں

کی نمی و تازگی اور شفق کی رنگینی و سرخی بھی ہو گی۔ خالی خولی ٹھیٹھ اور دقیق اشعار کسی پیشہ ور (Professional) صوفی کی شخصیت کو بے نقاب کرتے ہیں جو چُن چُن کر تصوف کے مسئلوں کو اصطلاحات و تلمیحات اور بھاری بھرکم الفاظ کی مدد سے منظوم کر دیتا ہے۔ اس کا شعر ممکن ہے تصوف کے مسئلہ کی تشریح ہو جائے لیکن شعر اُسے بہرحال نہیں کہا جائے گا۔

مجھے ذاتی طور پر اس موضوع کے متعلق زیادہ معلومات نہیں۔ میں نے نہ تو صوفیائے کرام کی صحبت پائی ہے نہ کتب تصوف کا مطالعہ کیا ہے، لیکن اس حد تک ضرور واقف ہوں کہ عام طور سے شیعہ حضرات کو تصوف سے بے بہرہ قرار دیا جاتا ہے۔ اگر یہ خیال درست ہے تو مجھے حیرت ہے کہ اثر صاحب کے کلام میں یہ رنگ اتنا نمایاں کیوں ہے اور پھر یہ کہ انھوں نے اپنی اُس شخصیت کو بھی جو شاعر ہے برقرار رکھا ہے اور رموز و معارف کی پردہ کشائی کے لئے جو لب و لہجہ اور رنگ و آہنگ اختیار کیا ہے وہ عین شعر و نغمہ ہے۔ یہی "بادۂ تصوف" کی دو آتشگی جس میں رندو ساقی دونوں کی نگاہوں کا سرور و خمار موجود ہے۔ اثر صاحب کے کلام میں متصوفانہ اشعار کی کمی نہیں۔

برگِ گل پر قطرۂ شبنم، اُس پہ شعاعِ مہر مبیں — تیرے نثارِ حسنِ تصور میری نظر تصویر ہوئی

مطلب نکالے خاک اشارات سے کوئی — عالم تمام خواب ہے وہ بھی خیال کا
میرا وجود میری حقیقت کا آئینہ — میری نمود ؟ ایک کرشمہ خیال کا
نظارہ تیرے شوق میں غرقِ نشاط ہے — ہر جنبشِ نگاہ چمن ہے جمال کا

ان اشعار کے بعد اب مزید حوالے کی نہ گنجایش ہے نہ ضرورت۔ اُن کے چند نظریاتی اشعار سے شاعر کے مسلک کی نشان دہی ہوتی ہے ؎

مجلسِ وعظ سے اک رند یہ کہتا اُٹھا — کافر اچھے ہیں دل آزار مسلمانوں سے

ماورائے کفر و دیں ہے مسلکِ اہلِ نظر — ماسوائے عشق ہے جو کچھ وہ ہے باطل مجھے

تفریقِ مذاہب سے کیا کام اثر مجھ کو — اک سجدے سے مطلب ہے کعبہ ہو کہ بتخانہ

کچھ اور نیک و بد کی حقیقت نہیں اثر — انسان آئینہ ہے خود اپنے خیال کا

"رہ و رسمِ عاشقی" کے یہ اسرار شاعر کی شخصیت کو جلوہ گر کرتے ہیں۔

اثر صاحب کے کلام کی ایک اور نمایاں خصوصیت رہی جاتی ہے۔ پہلے اثر صاحب کا ایک شعر سُن لیجئے:

جام خالی کو چھلکتے کبھی دیکھا ہے اثر — شعر میں جوش کہاں دل میں اگر جوش نہیں

اثر صاحب کا دل فطرتاً کیف و نشاط کی آماجگاہ ہے اور ان کے دل کی یہ شادابی پوری طرح اُن کے اشعار میں جلوہ گر ہے۔ اُن کے اکثر اشعار میں وہی شگفتگی اور وہی شادابی و زندگی ہوتی ہے جو تازہ کھلے ہوئے پھول میں ہوتی ہے اور وہ اپنے اشعار کی مدد سے ایک شاداب تصویر کھینچ کر رکھ دیتے ہیں۔ منظر نگاری آپ کو تمام شاعروں کے یہاں ملے گی لیکن یہ منظر نگاری غزل کے اشعار میں صرف تشبیہ و استعارہ تک محدود رہی ہے۔ میرا خیال ہے کہ اقبال کے علاوہ اگر کسی شاعر نے مناظرِ فطرت کو بحیثیت مناظرِ غزل کے اشعار میں پیش کیا ہے تو وہ اثر صاحب ہیں۔ ایک شعر ایک تمہید کے ساتھ سنئے یونانیوں نے سورج (Phoebus) کو رتھ میں سوار دکھایا ہے جسے سفید گھوڑے کھینچ رہے ہیں اور گلاب کے پھولوں کی بارش ہو رہی ہے۔ اب اثر صاحب کا ایک شعر سنئے۔ محبوب سے خطاب ہے۔ کہتے ہیں ؎

ہاں جلوہ گر ہو تجھ پہ نچھاور کے واسطے — صبح دمیدہ پھول کھرے ہے کنار میں

کیا تصویر ہے۔ ہاں تو اب غزل میں عروسِ فطرت کی دنیا پاشیاں دیکھئے:

پھولوں سے لچک رہی ہیں شاخیں — خوشبو سے مہک رہا ہے گلشن
رقصاں ہے نسیم برگِ گل پر — شبنم میں ہے گھنگھروؤں کی چھن چھن
غنچوں کے بدن میں سنسنی ہے — مستی میں چھوا صبا نے دامن

اس رنگِ خاص کے بعد ان اشعار کو بھی دیکھئے :

جہاں پلکوں کے سائے میں ہزاروں فتنے سوتے تھے — وہیں فطرت نے چپکے سے نگاہِ شرمگیں رکھدی

جس طرح ماہتاب ہو آغوشِ بحر میں — یوں دل کسی کے حسن سے معمور ہوگیا

وہ رات کا سناٹا وہ امڈے ہوئے آنسو — چڑھتی ہوئی ندی تھی بڑھتا ہوا دریا تھا

وہ تراشاب کہ الحذر وہ تراخرام کہ الاماں ، — نہ یہ رنگ چھلکے بہار سے نہ یہ کیف ٹپکے شراب سے

دمِ واپسیں نہ حیا کرو کہیں یہ نہ اس کا نتیجہ ہو — کرو یاد جب گئے وقت کو تو حجاب آئے حجاب سے

دلِ صد پارہ سے یوں الجھی ہے وہ شوخ نگاہ — جیسے سورج کی کرن پھول پہ مائل ہو جائے

پیغام یہ کس کو جاتے ہیں معلوم تو ہو دیوانے اثر — تو خاک پہ بیٹھا کیا لکھتا اور لکھ کے مٹایا کرتا ہے

ادا ہے یاد ترے مسکرا کے آنے کی — اور اس کے بعد وہ دامن چھڑا کے جانے کی

ان تمام اشعار میں ایک تصویر ہے جس میں خارجی محرکات اور داخلی کیفیات کا دلکش امتزاج پایا جاتا ہے۔

اثر صاحب زندگی کے حقایق کی طرف سے بھی غافل نہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ ان کا کلام "غمِ روزگار" کے اثر سے بالکل محروم ہے اور اُن کے یہاں ایسا کوئی جذبہ نہیں ملتا جو زندگی کے مادی نظریوں پر مبنی ہو اور اُس میں ہم اپنے نقوشِ حیات دیکھیں۔ اثر صاحب کو اس بات کا اعتراف ہے کہ :

اپنی بساط بھر تو بہت سعی کی مگر ، — مانوس دل ہوا نہ غمِ روزگار سے

اس شعر میں شاعر نے جس خلوص کا ثبوت دیا ہے اس کی مثال نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے لیکن جو لوگ محض اس نقوش کے فقدان کے باعث اثر صاحب کے کلام کی ہمہ گیری کے منکر ہیں وہ غلطی پر ہیں کیونکہ یہ ضرور نہیں کہ شاعر اپنے ماحول اور زمانے کے تمام اثرات کو قبول کرے، پھر بھی اس عالمگیر حقیقت سے انکار کیونکر ممکن ہے کہ ناتمامی اور ناآسودگی بہرحال رہتی ہے اور عمر کے آخری لمحوں تک رہتی ہے کچھ رند ایسے بھی ہوتے ہیں جو الطافِ ساقی پر مطمئن نہیں ہوتے۔ روش صدیقی کا یہ شعر سنئے :

مہرباں پایا ہے جو ساقیِ محفل کو روش — اب یہ ضد ہے کہ ہر اک جام ہمیں تک پہونچے

اثر صاحب کے یہاں بھی ناتمامی اور ناآسودگی کا یہ جذبہ کسی نہ کسی طرح اُن کی زندگی میں داخل ہو ہی جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں اور غلط نہیں کہتے کہ :

بہار اور پھر ایسی بہار ، حسرت ہے — ہر ایک شاخ پہ اپنا ہی آشیاں ہوتا

یہ انسانی فطرت کا ایک المیہ ہے اور یہی المیہ انسانی وجود کا سب سے بڑا ثبوت بھی۔ ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ اثر صاحب کے یہاں کثرت سے ایسے اشعار مل جائیں گے جس میں اُن کے عہد اور اُن کے ماحول کے نقوش ملتے ہیں ؎

جب مخالف چلے چمن کی ہوا ، — منہ نگاہوں کے نہ کیوں اُتر جائیں

حاصلِ زیست ہے وہی لمحہ — جس میں ہم کوئی کام کر جائیں

اب اس شعر میں زندگی سے متعلق شاعر کا نقطۂ نظر دیکھئے :

اپنا کہنا ، اپنا مقدر ، کہکے ہمت ہار گئے — ہم نے کی تذلیلِ عمل کی ، ہم سے عجل تدبیر ہوئی

آپ نے اثر صاحب کی شاعرانہ شخصیت کا مطالعہ کر لیا اور آپ اس نتیجہ پر پہونچے ہوں گے کہ اثر صاحب کی شاعری حیات و کائنات کا ایک تازہ اور متحرک مطالعہ ہے۔ ان کا پورا کلام پڑھنے کے بعد ہمارے سامنے ایک شخصیت جس کے سینے میں فطرت نے ایک دھڑکتا ہوا دل اور آنکھوں میں متجسس نگاہیں دی اور اس کے دیدۂ دل کی کارفرمائیاں اس کے اشعار میں محفوظ ہوگئی ہیں ؎

کیا شخص اثر بھی تھا سمجھا نہ کوئی اب تک — عاشق تھا کہ شاعر تھا دیوانہ کہ دانا تھا

انکی عاشقی و شاعری تو دونوں مسلم ہی ہیں ، دیوانگی اور دانائی بھی انکی شاعرانہ شخصیت کے عناصر ہیں اور ان عناصر کا ثبوت آپ کو ان کے کلام سے ملیگا جو کبھی "دانا نہ" بھی ہے اور "عارفانہ" بھی۔

فنِ تحریر کی تاریخ

(بہ سلسلۂ ماسبق)

سلافی رسوم خط (SLAVONIC. ALPHABETS)

زبان — سلافی، ہندیورپی زبان کی وہ شاخ ہے جس میں روس، پولینڈ، زیکوسلواکیہ، یوگوسلاویہ، بوہیمیا اور بلغاریہ وغیرہ کی زبانیں شامل ہیں۔

قدیم سلافی سے مراد وہ ادبی زبان ہے جسے سینٹ سرل (پیدائش ۸۲۶ء متوفی ۸۶۹ء) اور سینٹ میتھوڈیس (پیدائش ۸۱۵ء متوفی ۸۸۵ء) اور اُن کے شاگردوں نے اپنی تحریروں میں استعمال کیا تھا۔ یہ دونوں بھائی سیلونیکا کے یونانی تھے۔ جنھوں نے سلافی نسل کے لوگوں میں عیسائی مذہب کی تبلیغ کی ان میں سینٹ سرل بڑا عالم اور ادیب تھا۔ اُس کا اصلی نام کونسٹانٹائن تھا۔

قدیم سلافی قوم مقدونیہ میں سلونیکا (Salonica) کے نزدیک اور مغرب و جوار کے علاقوں میں آباد تھے۔ ان کی زبان جو بعد ازاں کلیسا کی زبان بن گئی موجودہ بلغاری زبان سے قریبی رشتہ رکھتی تھی۔ اب یہ ایک مُردہ زبان ہے سوائے اس کے کہ وہ کلیسا میں عبادت کے موقع پر استعمال کی جاتی ہے۔ اس کے اور بھی کئی نام ہیں جیسے کلیسائی سلافی، قدیم کلیسائی سلافی، پینونی سلافی (Pannonian) لیکن یہ سب غیر تشفی بخش ہیں۔

قدیم ترین سلافی دستاویزیں دسویں صدی کے آخر اور گیارھویں صدی عیسوی کی ہیں۔ یہ مذہب سے متعلق ہیں۔ ایک کتبہ جو تکفین و تدفین سے متعلق ہے ۹۹۳ء کا ہے۔

سلافی رسوم خط میں دو خاص تھے سرلک (Cyrllic) اور گلاگولیٹک (Glagolitic) ان کے حروف کی شکلیں، انکے نشوونما کی تاریخ اور کسی حد تک حروف کی تعداد مختلف تھی۔ لیکن ان میں یہ مشابہت ضرور ہے کہ دونوں ہی سلافی زبان کی کثیر آوازوں کو پورے طور سے ادا کرنے پر قادر تھے اور کل یورپی رسوم خط کے مقابلہ میں ان میں حروف کی تعداد زیادہ تھی۔

ان دو رسوم خط کی قسمتیں بھی جدا رہی ہیں، سرلیک دُنیا کے تین وسیع الاستعمال خطوں میں سے ایک بن گیا (دوسرے عالمگیر خطوط رومن و عربی ہیں) جبکہ اس کے برعکس یعنی گلاگولیٹک خط کی جگہ لاطینی خط نے لے لی اور اب وہ محض ایک ادبی عجوبہ ہے۔

سرلیک خط (CYRILLIC)

یہ خط نویں صدی عیسوی کے یونانی کے بڑے حروف پر مبنی تھا چنانچہ دونوں کے بیشتر حروف کی صورتیں، آوازیں اور اُن کی عددی قیمتیں مشابہ ہیں سلافی زبان کی جن آوازوں کے لئے یونانی خط میں علامات نہ تھیں اُن کے لئے نئے نشانات وضع کئے گئے۔ ان میں سے بعض یونانی حروف میں خفیف سی تبدیلیاں کرکے بنائے گئے، بعض دو دو حروف کو ملا کر اور بعض گلاگولیٹک خط سے لئے گئے۔ چند کا اخذ نامعلوم ہے ممکن ہے وہ من مانی ایجاد ہوں۔ اس خط کا موجد سینٹ سرل (St. Cyril) تھا لیکن اس نے کل ۳۸ حروف اخذ و ایجاد کئے تھے جن کی تعداد بعد میں بڑھکر ۴۳ تک پہونچ گئی۔

ترویج — سلافی لوگوں میں فنِ تحریر کا رواج مذہب کے ساتھ ہوا (عربی اور آرامی خط کی بعض دوسری شاخوں کے بارے میں بھی یہی بات کہی جا سکتی ہے) مشرقی اور مغربی کلیسا کی تقسیم نے رسم خط کے لحاظ سے سلافی لوگوں کو دو حصّوں میں تقسیم کر دیا۔ جو لوگ کیتھولک (Catholic) مذہب

(Orthodox) کے ماننے والے ہیں اُن کا رسم خط رومن ہے (کروآٹی گلاگولیٹک خط کو چھوڑ کر جو بہت اہم نہیں) اور جو مشرقی یا یونانی کلیسا سے تعلق رکھتے ہیں اُن میں سریلک خط کا رواج ہے۔ روسی، یوکرانی (Ukranian) بلغاری اور سرب لوگوں نے مشرقی یا یونانی کلیسا کے ذریعہ عیسائی مذہب قبول کیا تھا (جس کا سردار بطریق قسطنطنیہ تھا) اس لئے اُن میں یونانی سے ماخوذ سریلک خط کا رواج ہوا جس میں بعد ازاں مقامی تبدیلیاں ہوئیں۔ رومانی (Rumanian) زبان کے لئے بھی یہی خط اختیار کیا گیا لیکن بعد میں ترک کر دیا گیا (ملاحظہ ہو نقشہ نمبر ۲۵) یوگوسلاویہ، زیکوسلوواکیہ، پولینڈ اور لوساٹیہ (جرمنی کے علاقے) کے لوگوں نے رومن کیتھولک مذہب کو قبول کیا تھا اس لئے اُن میں لاطینی خط کا رواج ہو گیا۔

یہ ایک دلچسپ بات ہے کہ سرب کروآٹی (Serbian.Croatian) ایک ہی زبان ہے لیکن سرب لوگوں کا مذہب یونانی کلیسا سے تعلق رکھتا ہے اور کروآٹی لوگ کیتھولک مذہب کے ماننے والے ہیں لہٰذا ان کے رسوم خط بھی جدا ہیں۔

سریلک رسوم خط میں سب سے اہم روسی خط ہے۔ جسے بہت سی اقوام نے اپنا لیا ہے۔ جیسے:

(۱) زیرین (Zyryans) یا سیرین (Syryians) لوگوں نے (جنھیں اب کومی (Komi) کہتے ہیں) جو شمالی مشرقی روس میں آباد ہیں ان کی تعداد تقریباً ۲۵۰۰۰۰ ہے اور زبان فنو اگری (Finno.Ugrian) ہے۔

(۲) ووٹیاک (Votiaks) نے جو نمبر ۱ سے رشتہ رکھتے ہیں اور تعداد میں تقریباً ۷۵۰۰۰ ہیں، یہ ویاٹکا (Vyatka) کے علاقہ میں آباد ہیں

(۳) موردوا (Mordva) نے (جنھیں موردوین بھی کہتے ہیں) فنو اگری زبان بولنے والوں میں ان کی تعداد سوویٹ روس میں سب سے زیادہ ہے۔ یہ وولگا (Volga) کے وسطی صوبوں اور قرب و جوار کے علاقوں میں جانبِ جنوب و مشرق آباد ہیں۔

(۴) ووگل (Voguls) جو یورال کے پہاڑوں پر آباد ہیں۔

(۵) چوواش (Chuvash) نے جو ایک اہم قبیلہ ہے اس کی زبان ترکی کی ایک بولی ہے جو فنو اگری سے کافی متاثر ہے۔ یہ لوگ زیادہ تر اُس علاقہ میں آباد ہیں جو سُرا (Sura) کے دائیں کنارے اور وولگا کے بیچ میں ہے ان کی یو، ایس، ایس آر (U.S.S.R) میں اپنی خود مختار جمہوری حکومت ہے۔

(۶) اوسیٹ (Osete) نے جن کی تعداد تقریباً ۱۵۰۰۰۰ ہے یہ وسطی کاکیشش میں، تفلیس (Tiflis) کے شمال میں آباد ہیں۔ یہ لوگ قدیم سرماٹی (Sarmatian) اور الانی (Alani) لوگوں کی اولاد ہیں۔ ان کی زبان ایرانی کی ایک شاخ ہے جسے پہلے پہل اٹھارھویں صدی کے آخر میں قلمبند کیا گیا۔ لکھنے کے لئے سریلک خط کا استعمال کیا گیا لیکن بہت سی آوازیں ایسی تھیں جن کے لئے روسی خط میں نشانات نہ تھے اس لئے نئی علامات وضع کی گئیں۔ کچھ عرصہ میں بہت سے لاطینی حروف داخل ہو گئے اور آج کل زیادہ تر رومن خط کام میں آتا ہے۔ سریلک اوسیٹ خط ۴۲ حروف پر مشتمل ہے۔

روسی خط کی اصلاح سلافی رسوم خط کا شمار دنیا کے مکمل ترین خطوں میں ہوتا ہے لیکن اُن میں بہت زیادہ حروف کام آتے تھے جن میں سے بعض کی ضرورت نہ تھی۔ اس لئے روسی خط کی اصلاح کی ضرورت انقلاب کے بہت پہلے سے محسوس کی جا رہی تھی۔ متعدد اکاڈمیوں اور سائنسی اداروں نے اپنی اصلاحی تجویزیں پیش کیں۔ جنھیں کیرنسکی (Kerenski) نظام کی تحت رواج دیا گیا (مجموعہ قوانین و فرامین نمبر ۲۰۰، مورخہ ۱۷ اکتوبر ۱۹۱۸ء) جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے غیر ضروری حروف متروک ہو گئے۔

بک وٹسا (Bukvitsa) ڈلماٹیا اور بوسنیا (یوگوسلاویہ کے علاقوں) کے کیتھولک سلیو لوگ کچھ عرصہ تک وہ خط استعمال کرتے رہے جو بک وٹسا کہلاتا ہے یہ قدرے ترمیم شدہ سریلک خط تھا جو کسی قدر گلاگولٹک خط سے متاثر ہوا تھا۔

(باقی)

محمد اسحاق صدیقی

بہریلک	روسی	بلغاری	سربی	یوکرانی	قدیم رومانی	بہریلک	روسی	بلغاری	سربی	یوکرانی	قدیم رومانی
ا	А а	А	А	А	а	ق	—	—	—	—	—
ب	Б б	Б	Б	Б	б	غ ع	Ґ ґ	Ґ	Ґ	Ґ	ґ ог
و	В в	В	В	В	в	ف	Ф ф	Ф	Ф	Ф	Ф
گ ج	Г г	Г	Г	Г	г	کھ قس	Х х	Х	Х	Х	Х
د	Д д	Д	Д	Д	д	چ ج	Ц ц	Ц	Ц	Ц	Ц
ی	Е е	Е	Е	Е	е	ش	Ч ч	Ч	Ч	Ч	Ч
ژ ز	Ж ж	Ж	Ж	Ж	ж	ش-چ	Ш ш	Ш	Ш	Ш	Ш
ز	З з	З	З	З	з	بے آواز	Щ щ	Щ	—	Щ	Щ
ا	И и	И	И	И	и		Ъ ъ	Ъ	Ъ	—	Ъ
ا	І і	—	—	І (Ї)	і (ї)		Ы ы	—	—	—	Ы
ی	Й й	Й	Й	(Й)	—	بے آواز	Ь ь	Ь	Ь	Ь	Ь
ک	К к	К	К	К	к		Ѣ ѣ	—	—	—	Ѣ
ل	Л л	Л	Л	Л	л		Э э	—	—	—	(IE)
م ن	М м	М	М	М	м		Ю ю	Ю	Ю	—	Ю
	Н н	Н	Н	Н	н		Я я	Я	Я	—	Ю
	О о	О	О	О	о		Ѳ ѳ	—	—	—	ف
	П п	П	П	П	п		V ѵ	—	—	—	Y У
ر	Р р	Р	Р	Р	р		Ѯ ѯ	—	—	—	Ж
س	С с	С	С	С	с		Ѧ ↑ ↑	—	—	—	↑ ↑
ت	Т т	Т	Т	Т	т						

حضرت جوش ملیح آبادی کا ایک طنزیہ شاہکار

نثر میں جواہر ریزیوں کا ایک عدیم المثال نمونہ

روح دہی ایک، ہے پاک و شرافت مآب
نظم میں زیرِ حجاب، نثر میں ہے بے نقاب

پہلی جولائی ۵۵ء کی ڈاک سے مجھے ایک لفافہ ملا جس پر میرا پتہ:
نیاز محمد خاں فتحپوری - دفتر نگار - لکھنؤ
درج تھا۔

دیکھ کر حیرت ہوئی کیونکہ مجھے "نیاز محمد" کے نام سے پکارنے والوں میں اب میری صرف بڑی بہن باقی رہ گئی ہیں جو یہاں نہیں پاکستان میں ہیں۔

لفافہ کھولا تو ایک مضمون نظر آیا جس کے آخر میں جناب جوش کے دستخط ثبت تھے۔ اس کو پڑھکر حیرت مسرت میں تبدیل ہوگئی، کیونکہ مضمون کیا تھا ایک آبشار جواہر تھا اور بے اختیار سعدی کا یہ شعر زبان پر آگیا:

لبت بدیدم و لعلم بیوفتاد از چشم
سخن بگفتی و قیمت ببرفت لولو را،

لیکن اسی کے ساتھ اس بات کا افسوس بھی ہے کہ ہم اپنی کم مائگی کے باعث شایانِ شان اس کی داد نہ دے سکے۔

ہیہات کہ چونتو شاہبازے
تشریف دہد در آشیانم

ہمیں امید ہے کہ حضرت جوش آیندہ بھی اپنے "انشاء عالیہ" اور "افکار نادرہ" سے اسی طرح "نگار" کو زیر بار کرم فرماتے رہیں گے۔

من چہ در پائے تو ریزم کہ خوراے تو بود
سر نہ چیزے ست کہ شایستۂ پائے تو بود

نیاز

ہمارے سپاہیوں میں، یادش بخیر، ایک تھے، ستر بہتر برس کے ناتواں، لیکن ہلا کے تیکھے اور کڑوے، نو مسلم ٹھاکر "اللہ بخشے" ہدایت اللہ خاں - اور ہمارے قرابت داروں میں ایک تھے نوجوان قوی ہیکل اور قیامت کے ظرافت پسند خلیل اللہ خاں -

خلیل اللہ خاں آج بھی زندہ ہیں، لیکن چونکہ اُن کی وہ ظرافت باقی نہیں رہی ہے جو روتوں کو ہنسایا کرتی تھی، اور اِس بناء پر وہ اب: "وہ دن گئے جب خلیل خاں فاختہ اُڑایا کرتے تھے" کے زُمرے میں آچکے ہیں، اس لئے "ایک تھے خلیل خاں ——— چنانچہ ایک روز، سریعُ الاشتعالی ہدایت اللہ خاں کے غیظ و غضب کا تماشا دیکھنے کی خاطر، اُن کے بیڑے کے ایک سپاہی نے اُن سے کہا "ہدایت اللہ خاں تمھاری مونچھوں سے تو چنگاریاں اُڑا کرتی ہیں، تمھیں اپنے پوتے کی بھی کچھ خبر ہے"

"ہم رے پوتے کی کیا بات کرت ہو" (ہمارے پوتے کی کیا بات کرتے ہو) ہدایت اللہ خاں نے، خوخیا کر جواب دیا اِس پر اُس سپاہی نے، اپنی آنکھوں کو ایک خاص انداز سے گھما کر کہا کہ "خلیل خاں تمھارے پوتے کو "بڑے باغ" کو ہَوا کھلاتے پھرتے ہیں"۔

"ہم رے پوتے کا ؟" (ہمارے پوتے کو !!) ہدایت اللہ نے، تین بَل کھا کر کہا، اور اُن کی سفید داڑھی کے بال، سیاہی کے کانٹوں کی طرح یکایک کھڑے ہوگئے۔

ابھی اُن کے اعصاب کی کھولن کم نہیں ہونے پائی تھی، اور اُن کے چہرے کی جھرّیاں آپس میں گتھی ہوئی تھیں کہ اتفاق سے خلیل خاں محل کے پھاٹک پر نمودار ہوئے اور ہدایت اللہ خاں نے، جوانوں کی سی چستی کے ساتھ، معاً کھڑے ہوکر خلیل خاں سے، اپنے ہونٹ چباتے ہوئے پوچھا کہ: "کھلیل کھاں ہم تم سے یو، پوچھت ہیں کہ یو تم کا ہم رے کالے پوتے ہیں کا مجا آوت ہے کہ تم اُس سالے کو باگن باگن کی ہَوا کھلات پھرت ہو" (خلیل خاں ہم تم سے یہ پوچھتے ہیں کہ یہ تم کو ہمارے کالے پوتے میں کیا مزا آتا ہے کہ تم اُس سالے کو باغوں باغوں کی ہَوا کھلاتے پھرتے ہو)

اور قبل اِس کے کہ "مسکراتے ہوئے، خلیل خاں کچھ جواب دیں، ہدایت اللہ خاں نے، اپنے سوکھے ہاتھ میں لاٹھی بلند کرلی - یہ دیکھتے ہی دوسرے سپاہی اور خدمت گار دوڑے، اور ایک نے اُن کی لاٹھی پکڑ کر کہا "گھانس کھا گئے ہو ہدایت اللہ خاں، اگر خاں صاحب بہادر کو خبر ہوگئی تو جانتے ہو کہ اس بُڑھاپے میں تمھاری کیا گت بنا دی جائے گی"

غرض کہ اُس روز کا یہ ہنگامہ رَفت و گزشت ہوگیا۔ لیکن ناعاقبت اندیش و کینہ پرور بوڑھا ٹھاکر، بھول جانے یا معاف کردینے والا انسان نہیں تھا۔

چنانچہ اس واقعہ کے دوسرے ہی دن وہ بوڑھا، رینگتا اور لاٹھی ٹیکتا ہوا "بڑے باغ" پہونچکر "گاڑے" پر بیٹھ گیا ——— اور جب، اپنی بڑی بڑی مونچھوں کے ساتھ، خلیل خاں، حسبِ دستور، ہدایت اللہ خاں کے "کالے" پوتے کو لئے ہوئے، بڑے باغ میں نمودار ہوئے تو اِس برجھائے ہوئے بوڑھے نے ڈپٹ کر آواز دی کہ "ٹھار ہوجاؤ کھلیل کھاں، بڑے جی وَٹ ہو تو آؤ، اور دُوئی دُوئی بات کرلیو" (کھڑے ہو جاؤ خلیل خاں، بڑے بہادر ہو تو آؤ، اور دو دو بات کرلو)

دادا کا یہ تھرتھراتا نعرۂ جنگ سُنتے ہی اُن کا پوتا تو، غزال وحشی کی طرح، چوکڑیاں بھرتا ہوا، بھاگ کھڑا ہوا، اور خلیل خاں نے قریب آکر، مسکراتے ہوئے کہا "ہدایت اللہ خاں، تم بوڑھے آدمی ہو، میں تم پہ کیا ہاتھ اُٹھاؤں، ہاں تم اپنا حوصلہ نکال لو"۔

"اچھا، بڑے جوان بنت ہو" (اچھا بڑے جوان بنتے ہو) کہکر ہدایت اللہ خاں نے اپنی داڑھی دانتوں میں دبائی اور اپنی پوری جسمانی و روحانی طاقت کے ساتھ یہ یقین کرکے بھرپور لاٹھی ماری کہ پہلی ہی ضرب میں خلیل خاں کا بھیجا بہتا نظر آئے گا۔

اس "بے پناہ" ضرب کو، بڑی ہی آسانی کے ساتھ، اپنی لاٹھی پر روک کر، خلیل خاں نے کہا "فِش!"
اِس غیر متوقع حیرتِ ذلّت آمیز سے بِل بِلاکر ہدایت اللہ خاں نے "پھِس پھِس کیا کرت ہے اور لے" (فِش فِش کیا کرتا ہے اور لے) کا نعرہ بلند کرکے، دوسری لاٹھی ماری
خلیل خاں نے اس وار کو بھی روک کر کہا "فِش"
اے پھِس پھِس کا کرت ہے اور لے"۔ کھٹاخ: "فِش"
اے پھِس پھِس کا کرت ہے اور لے"۔ کھٹاخ: "فِش"
اے پھِس پھِس کا کرت ہے اور لے"۔ کھٹاخ: "فِش"
الغرض خلیل خاں کی "فِش" اور ہدایت اللہ خاں کی "پھِس پھِس کا کرت ہے اور لے" نے اِس قدر طول کھینچا کہ ہدایت اللہ خاں کا دَم پھُول گیا، اِس دَم پھولنے میں بھی، آخری بار "پھِس ....پھِس ..... کا... کرت ہے" کہہ کر وہ بیچارے دھڑام سے گر پڑے، اور بے ہوش ہوگئے۔
مُقابلہ تو دلِ ناتواں نے خوب کیا!
سُنتے ہیں تاریخ اپنے کو دُہرایا کرتی ہے۔ چنانچہ بالکل اُسی طرح ایک فتح پوری نیاز محمد خاں عرف "نگار" ایک ملیح آبادی شبیر حسن خاں، عرف "نگار باز" بھی پچیس تیس برس تک یہی "فِش" اور "پھِس پھِس کا کرت ہے اور لے" کا کھیل کھیل کر ابھی چند ماہ ہوئے کہ فارغ ہوئے ہیں۔
اور اس وقت صورت حال یہ ہے کہ نئے فتح پوری ہدایت اللہ خاں، انتقاد کے "بڑے باغ" میں چاروں خانے چت بے ہوش پڑے ہوئے ہیں، اور نئے ملیح آبادی خلیل خاں "شکر خورے کو شکر، اور موذی کو ٹکر" کی زندہ مثال بنے ہوئے، فتح پوری کی زرد رو شہرتِ انتقاد کو، ہدایت اللہ خاں کے "کالے پوتے" کی طرح "باغوں باغوں" کی ہوا کِھلاتے پھر رہے ہیں۔

جاہلانہ انتقاد ——— مُردہ باد!
غیظِ ناتوانی ——— مُردہ باد!
اِحساسِ کم تری ——— مُردہ باد!
بُغضِ لِلّہی ——— مُردہ باد!

اور

پھِس پھِس کا کرت ہے، اور لے" مُردہ باد!!

والسلام
جوشؔ

میر کی ایک غیر مطبوعہ مثنوی

انجمن ترقیِ اُردو (ہند) علی گڑھ کے کتب خانہ میں مجھے میر کی ایک غیر مطبوعہ مثنوی نظر آگئی - انجمن کے اُردو مخطوطات کی مفصل فہرست محمد ابرار حسین صاحب فاروقی ایم - اے نے مرتب کی ہے - فہرست مرتب کرنے میں موصوف نے یقیناً عرق ریزی سے کام لیا ہے لیکن افسوس ہے وہ میر کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ مثنویوں میں امتیاز نہ کر سکے - کتب خانہ میں ایک نسخہ موسومہ بہ مثنویاتِ میر ہے جس میں میر کی حسب ذیل مثنویاں شامل ہیں:

۱ — دریائے عشق
۲ — شعلۂ عشق - (اس کے درمیان کے چند اوراق غائب ہیں)
۳ — ہجو خانۂ مصنف
۴ — جوشِ عشق
۵ — ہماری زیرِ بحث مثنوی - ناقص الآخر
۶ — جوشِ عشق - میر

درمیان میں ایک اور غیر متعلق مثنوی گرداب لکھنوی کی بھی اس جلد میں شامل ہے -

کاتب نے اپنا نام نہیں ظاہر کیا لیکن اس نے یہ سب مثنویاں نصیر الدین حیدر کے عہد میں شعبان ۱۲۵۱ھ میں لکھی تھیں - اکثر مثنویوں کا نام بھی دیا ہے - لیکن زیرِ بحث مثنوی میں صفحے کے اوپر ایک کونے پر صرف "مثنوی تصنیف میر صاحب" تحریر ہے - نظم میں کل ۱۷۴ اشعار ہیں - آخری دو شعر یہ ہیں:

یہ ہے میر وہ عشق خانہ خراب — کہ جی جتنے مارے ہیں یہاں بے حساب
محابا کسو کا اسے کچھ نہیں — رہا بے محابا سدا ہر کہیں

اس کے بعد کا ورق غائب ہے - صفحہ کے نیچے ترک کے الفاظ ہیں "نہیں اس کی" یعنی اگلے صفحے کا پہلا شعر نہیں اس کی سے شروع ہوگا - قصہ ختم ہو گیا ہے اس لئے خاتمے کے طور پر غالباً آٹھ دس شعر اور رہے ہوں گے - مرتبِ فہرست اس مثنوی کے بارے میں لکھتے ہیں:

"مثنوی عشقیہ مگر ناقص الآخر ہے اس لئے اس قصہ کا نام نہ معلوم ہو سکا کاتب اس کا بھی وہی ہے جو سابقہ مثنویوں کا ہے خط شکست آمیز"

مرتب چونکہ مثنویاتِ میر کے بارے میں زیادہ واقفیت نہیں رکھتے اس لئے ان کی تحریر سے کوئی نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا - وہ میر کی سب سے زیادہ مشہور مثنوی "دریائے عشق سے" بھی شناسا نہیں - لکھتے ہیں:

"یہ مثنوی بھی ایک عشق و محبت کا افسانہ ہے - مصنف نے اس قصہ کا کوئی نام نہیں لکھا بلکہ مثنوی کی پیشانی پر صرف یہ لکھا ہوا ہے:

"قصہ عاشق شدنِ جوانے بر عورتے تصنیفِ میر"

اس کے بعد مثنوی کے آغاز کے چند شعر درج کر کے قصہ کا خلاصہ لکھتے ہیں لیکن نہیں جانتے کہ یہ میر کی بہترین مثنوی "دریائے عشق" ہے - غرض فہرست سے زیرِ بحث مثنوی کے بارے میں کوئی رہبری ممکن نہ تھی -

مثنوی زیرِ بحث میر کی تصنیف ہے اس میں کوئی شک و شبہ نہیں - مثنوی کے آخر میں میر کا تخلص موجود ہے - ابتدا میں کاتب نے

"مثنوی تصنیفِ میر صاحب" لکھ دیا ہے۔ مثنوی کی کتابت میر کے انتقال کے بعد چوتھائی صدی کے اندر اندر ہوئی ہے۔ ابتدا میں وہی عشق کے اوصاف کا بیان اور وہی سچے پاکیزہ عشق کا المیہ نتیجہ۔ انجام میں پہلے عاشق کی موت اور اس کے بعد معشوق کا جان دینا۔ وصل بعد مرگ۔ فریقین کی لاش کا اس طرح چسپاں ہونا کہ جدا نہ ہو سکیں جیسا کہ دریائے عشق میں ہوا ہے۔ خاتمے پر عشق کے بارے میں ماتمی اشعار۔ مثنوی کی زبان ہر اعتبار سے میر کی ہے۔ غرض مثنوی کا ہر شعبہ اور ہر مصرع پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ میں میر کی تصنیف ہوں۔ پوری مثنوی کی فضا میں وہی خستگی و برشتگی۔ سوز و گداز۔ بے کسی و بے چارگی۔ وہی دھیما پن ہے جو میر کا مزاج ہے۔ قصے کا خلاصہ یہ ہے:

ایک جوان کسی اجنبی شہر میں جا کر سرائے میں ٹھہرا۔ وہاں بیمار ہو گیا۔ علاج سے فایدہ نہ ہونے پر اس نے علاج ترک کر دیا اور دیوانہ وار رہنے لگا۔ اتفاق سے اسی سرائے میں ایک قافلہ آ کر ٹھہرا جس میں ایک پری صفت لڑکی بھی تھی۔ اس لڑکی کے ماں باپ نہیں تھے۔ لڑکی کی اس شہر میں شادی ہونا تھی جس کے بعد داماد و عروس واپس لڑکی کے شہر میں چلے جاتے۔ جوان لڑکی پر عاشق ہو گیا۔ ایک روز لڑکی نے ہاتھوں پر مہندی لگائی اور اپنے ہاتھوں کو دیوار پر چھاپ دیا۔ شادی کے دن قریب آنے پر قافلہ اٹھ کر شہر میں چلا گیا۔ ہجر میں جوان کی حالت ابتر ہو گئی ایک روز مہترانی نے اس سے کہا کہ تیرا حجرہ بہت گندہ ہو گیا ہے۔ تو چند روز کے لئے اس حجرے میں چلا جا جہاں وہ رشکِ ماہ رہتی تھی تاکہ میں تیرا حجرہ بھی جھاڑ کر صاف کر دوں۔ وہ اس حجرے میں منتقل کیا گیا جہاں اسے دیوار پر وہ نقش نظر آئے۔ اس کو وحشت ہونے لگی۔ بیمار پڑ گیا اور آخر کار مر گیا۔

شادی کے بعد لڑکی اور اس کا شوہر لڑکی کے شہر جانا چاہتے تھے۔ لڑکی نے کہا چلو پہلے اسی سرزمین ٹھہریں۔ شوہر نے باز رکھنا چاہا، لیکن لڑکی نہ مانی آخر دونوں سرائے میں آ کر ٹھہر گئے۔ سرائے میں جذبِ عشق سے لڑکی کی حالت زار ہونے لگی۔ اس نے مہترانی سے پوچھا کہ وہ جوان کہاں ہے مجھے اس کی شکل ہر طرف نظر آتی ہے۔ مہترانی نے کہا وہ تو تیرا شہید ہو گیا۔ لڑکی نے کہا یہ راز کسی سے نہ کہنا مبادا میرے شوہر کو بدگمانی ہو۔ مجھے اس کی تربت پہ لے چل۔ مہترانی اسے قبر پر لے گئی۔ لڑکی جونہی تربت پر پہونچی قبر شق ہو گئی، لڑکی قبر میں داخل ہو کر لاش سے بغل گیر ہو گئی اور اسی عالم میں انتقال کر گئی۔ قبر پھر بند ہو گئی۔ مہترانی روتی پیٹتی شوہر کے پاس گئی وہ بھی نالہ کناں قبر پر آیا۔ قبر کو کھدوا کر دونوں کو واصل دیکھا۔ ایک نئی قبر میں دفن کر دیا اور شوہر اس شہر سے کہیں نکل گیا۔

قصہ سیدھا سادہ ہے۔ آخری واقعہ قصہ کو فوق الفطرت افسانوں میں شامل کر دیتا ہے۔ میر اپنی بعض مثنویوں کے انجام کو تاثر پیدا کرنے کی کوشش میں غیر فطری بنا دیتے ہیں۔ شاید یہ اس عہد میں غیر فطری معلوم نہ ہوتا ہو جب اردو غزل کے انداز کے عشق کا رواج تھا دراصل میر کے یہاں قصے کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی وہ تو محض ایک قالب ہوتا ہے جس پر وہ اپنے جذباتِ عشق کا تار و پود چست کرتے ہیں اس مثنوی کی زبان میر کی دوسری عمدہ مثنویوں سے کم چست ہے بعض بعض مصرع بہت ڈھیلے ہیں۔ ہاں شدتِ جذبات کے اعتبار سے یہ کسی مثنوی سے کم نہیں اوصافِ عشق کا ہمہ گیر تخیل دیکھئے

نہ ہو عشق تو اُنس باہم نہ ہو — نہ ہو درمیاں یہ تو عالم نہ ہو
نہیں اس سے خالی جہاں میں بشر — سبھوں میں ہے ساری یہی فتنہ گر
کسو دل میں جا کر ہوا درد یہ — کسو چہرے کو کر گیا زرد یہ
کہیں عشق و عاشق ہے معشوق ہے — کہیں خالق و خلق مخلوق ہے
یہی عشق خلوت میں وحدت کے ہے — یہی عشق پردے میں کثرت کے ہے

عشق کا یہ وہی تصور ہے جو میر کو اپنے والد سے ملا جو میر نے ذیل کے شعر میں بیان کیا ہے:

یارب کوئی تو واسطہ سرگشتگی کا ہے — اک عشق بھر رہا ہے زمین آسمان میں

اور جو بعد میں کچھ اور منزہ ہو کر اقبال کے یہاں ظاہر ہوا۔ اسی مثنوی میں اوصافِ عشق میں ایسے ستھرے اور عمدہ تراکیب کے شعر

بھی ملجاتے ہیں :

کہیں سبزے میں چشمکِ گل ہوا — کہیں نالۂ زار بلبل ہوا
کہیں سروِ بر چیدہ دامن ہے یہ — کہیں قمری کا طوقِ گردن ہے یہ

لڑکی کا سراپا اس شاعرانہ انداز میں بیان کیا ہے :

ع کرشمہ خرابی کنِ شہر تھا

صفا سے وہ رخسار آئینہ وار — دکھائی دے منہ ان میں ہوتے دوچار
گل اندام گل پیرہن گل بدن، — دلارام و دلچسپ و دلکش سخن،
بہت نازک اندام و شیریں کلام — قد و قامت اس کا قیامت تمام

مندرجۂ بالا شعر دیکھ کر میر حسن کا یہ شعر یاد آتا ہے :

قد و قامت آفت کا ٹکڑا تمام — قیامت کرے جس کو جھک کر سلام

ذیل کے اشعار میں تشبیہات ملاحظہ ہوں :

اگر ہنستی آئے ہے وہ کامنی، — تو یوں دانت چمکے ہیں جوں دامنی (بجلی)
نہالِ قد اس کا تھا گلبن مثال — کفِ پا تھا گل برگِ پائے نہال

پہلے شعر کے قوافی اور دوسرے شعر میں گلبرگِ پائے نہال سے تشبیہ قابلِ غور ہیں۔ شاعر ہجر زدہ مسافر کا بیان ایسے سیدھے اور پر اثر انداز میں کرتا ہے کہ : ——— اس کی اداس بجھی بجھی صورت نگاہوں کے سامنے آجاتی ہے۔

پھرے تو پھرے جیسے آفت زدہ — رہے تو رہے جیسے محنت زدہ
کبھو جیسے دیوانہ روئے ہنسے — کبھو شہر سے دشت میں جا بسے
کھڑا ہے کہیں ہو پریشان سا — کہیں دیکھتا ہے تو حیران سا
کسی سے کرے بات تو دل کہیں — نہ ہرگز کہے دل کی مشکل کہیں

مثنوی میر حسن میں ہجر کا بیان مشہور ہے۔ میر کے بیانات اس سے کسی طرح کم نہیں۔

پوری مثنوی قابلِ ملاحظہ ہے۔ ذیل میں پوری مثنوی پیش کرتا ہوں۔ یہ ۹×۷ کی تقطیع کے ساڑھے نو صفحوں پر پھیلی ہوئی ہے۔ کلیاتِ میر اور مثنویاتِ میر کے مختلف اڈیشنوں میں یہ موجود نہیں۔ مجھے اس مثنوی کے کسی اور مخطوطے کا علم نہیں۔ موجودہ نسخہ میں بعض الفاظ اور مصرع صحیح نہیں پڑھے جاسکے۔ میں ان الفاظ کو قوسین میں تحریر کر رہا ہوں، بعض مصرعوں کے معنی واضح نہیں، مثنوی شایع کرنے کی غرض یہ ہے کہ کسی صاحب کے پاس اس کا کوئی نسخہ ہو یا وہ اس پر مزید روشنی ڈال سکیں تو مجھے اطلاع دیں۔ یہ مثنوی اسوقت تک صحیح کرکے شایع نہیں کی جاسکتی جب تک اس کا کم از کم ایک اور نسخہ نہ مل جائے۔ جو اصحاب قلمی نسخوں کا مطالعہ کرتے ہیں انھیں ہی اس کا اندازہ ہوسکتا ہے کہ مخطوطات کو پڑھنے میں کن کن مشکلوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ مثنوی کا نام نہ معلوم ہوسکا۔

مثنوی تصنیفِ میر صاحب

خدا ایک فرقہ میں مانا ہے عشق — کہ نظمِ کل ان سب نے جانا ہے عشق
نہ ہو عشق تو انس باہم نہ ہو — نہ ہو درمیاں یہ تو عالم نہ ہو

یہ آفت زمانہ کی معروف ہے — زمانہ میں جو ہے سو ماؤف ہے
نہیں اس سے خالی جہاں میں بشر — سبھوں میں ہے ساری یہی فتنہ گر
کہیں داغ ہو کر جگر پہ جلا — کہیں زخم سینہ ہوا برملا
مزا ہے یہ عاشق جہاں ہو گیا — عزا ہے جو ان دونوں پر رو گیا
کسو دل میں جا کر ہوا درد یہ — کسو چہرے کو کر گیا زرد یہ
کسو کے لئے ہے بیاباں نورد — کسو کی رہِ دور کا ہے یہ گرد
کسو جان میں ہے تمنائے وصل — کسو دل سے اٹھا (ہیائے) فصل
کہیں سبزے میں چشمکِ گل ہوا — کہیں نالۂ زارِ بلبل ہوا
کہیں سرو برچیدہ دامن ہے یہ — کہیں قمری کا طوقِ گردن ہے یہ
کہیں پھول لائے کا ہے داغدار — کہیں اس سے ہے مضطرب لالہ زار
کہیں عشق و عاشق ہے معشوق ہے — کہیں خالق و خلق مخلوق ہے
یہی عشق خلوت میں وحدت کے ہے — یہی عشق پردے میں کثرت کے ہے
عجب عشق یہ شعبدہ باز ہے، — موافق کہے گاہ ناساز ہے
غرض طرفہ ہنگامہ آرا ہے عشق — تماشائی عشق و تماشا ہے عشق
مساعد نہ تھا ایک سے روزگار — کیا اُنے ترکِ وطن اختیار،
پریشانی لائی کہیں سے کہیں، — بجز بے کسی ساتھ کوئی نہیں
سرا ایک تھی شہر کے درمیاں — فرود آیا وہاں یہ مسافر جواں،
ہوا آبِ گردش سے بیمار یہ — رہا اس سبب کوئی دن اس جگہ
کھنچا طول کو رفتہ رفتہ مرض، — دوائے طبیباں سے آئی غرض
مراعات اسباب کے چند روز — دوا سے بڑھا اور کچھ دل کا سوز
کیا ترک نومید ہو کر علاج — کہا لوگوں سے خوش ہے میرا مزاج
مجھے حال ہی پر مرے چھوڑ دو، — نہ لکھ پڑھ کے دل کو مرے توڑ دو
دوا چھوڑی غیرت سے وحشت ہوئی — جنوں کرنے کی اس پہ تہمت ہوئی
خیال اس کا لوگوں نے چھوڑا ندان — تعرض نہ کرتے تھے دیوانہ جان
پھرا کرتا تھا ایدھر اودھر خموش — نہ کچھ دل میں طاقت نہ کچھ سر میں ہوش
شب و روز اپنے بسر یوں کرے — معیشت زمانہ میں جوں توں کرے
یکایک ہوا قافلہ ایک نمود — قریب اس کے حجروں میں آیا فرود
تھی ساتھ اس کے ایک دخترِ بے مثال — گلستانِ خوبی کی تازہ نہال
پری شرم گیں، اس کے رخسار سے — غشی حور کو اس کی رفتار سے
قیامت ادا فتنہ در سر تھی وہ — عجب طرح کی آہ دلبر تھی وہ،
نکلتی نہ پلکوں سے (کم) راہ تھی، — نگہ لیک تا قتل ہمراہ تھی

نظر (گاہ) کا جو کہ مفتون ہو، گریباں کرے چاک مجنون ہو،
قنات آگے حجروں کے لی کھینچ سب لگی رہنے وہ رشکِ مہ روز و شب
پدر مادر ایسے نہ تھے درمیاں، قبیلہ کے کچھ لوگ لائے تھے یہاں
کہ شادی کہیں اس کی کر دیجئے گئے لوگوں کا چندے غم کیجئے؟
سو نسبت ہوئی ہے کسی سے درست اہم کتخدائی ہے اس کی نخست
عروس اور داماد بعد از فراغ وطن ان کو لے جائیں گے خوش دماغ
(مئونت) کو دونوں کے ملک و معاش کفایت ہے بے کوشش و بے تلاش
مسافر ہوا اس پری سے دوچار ہوا اس پہ سو جان و دل سے نثار
پریدار سا آنے جانے لگا جنوں کرتے شور ایک اُٹھانے لگا
کبھی بات کرتے جو اس کو سنا بڑی دیر تک اُنے سر کو دھنا
کبھی چلتے پھرتے جو آئی نظر روش سے ہوئی اس کی حسرت دگر
بہت نازک اندام و شیریں کلام قدو قامت اس کا قیامت تمام
نگہ دل زدے کو مسل ڈالتی طرح سے جگر جان مل ڈالتی
ادا ایک غضب ناز اک قہر تھا کرشمہ خرابی کنِ شہر تھا،
سخن عشوہ غمزے سے کیا کوئی کرے کہ آنکھ اس کی ایک پل پڑے تو مرے
بلا زیرِ سر فتنہ گر تا زہ تھا چمک برقِ خاطف کے انداز تھا
مڑے اس کے ہر گشتہ جی میں گھسے نگہ اس کی سر تیز دل میں پھبے،
کشیدہ بھویں دو کمانیں تھیں ناک[1] جھکیں جب حریفاں بہت ہوں ہلاک
صفا سے وہ رخسار آئینہ دار دکھائی دے منھ ان میں ہوتے دوچار
دہن غنچہ لب اس کے گل برگ تر ولا ویز گیسو و عنبر نظر،
گل اندام گل پیرہن گل بدن، دل آرام و دلچسپ دلکش سخن،
سراپا سے اس کے (ہوا رنگ پے) کھڑی اس کی ہر جائے صورت رہے
مسافر بھی حیرانِ رفتار تھا بکا جاتا تھا جو خریدار تھا
لٹک کر جو چلے ولا ویز تھے، کفک پاؤں کے کیا بلا خیز تھے
اس آفت نے ایک روز مہندی لگا سرِ پا سے فتنہ ہزاروں جگا،
دئے چھاپ شوخی سے دیوار و در رہا نازک ان انگلیوں کا اثر
اُٹھے نقش پنجوں کے اس ڈھنگ سے کہ چھاپے کے گل کب ہوں اس رنگ سے
جو نقاش وہ نقش کرتا نظر تو رہ جاتا ہاتھوں کو بھی کھینچ کر
کئی دن میں شادی قریب آ رہی سرا میں سے اُٹھ شہر میں جا رہی
یہ افسانہ یہاں کا یہیں رہ گیا مسافر سے عشق اس کا کیا کہہ گیا،
پریشاں دلی اس کی اس حد ہوئی کہ طبعِ خوش اُسے بہت بد ہوئی

---

[1] یہاں "ناک" کا کوئی موقع نظر نہیں آتا۔

پھرے تو پھرے جیسے آفت زدہ
رہے تو رہے جیسے محنت زدہ

چلے تو پریشاں پری وار سا
گرے فرش پر سست بیمار سا

جو سونے کو ہو تو کہاں اس کو خواب
پری یاد آوے ہو آنکھیں پُر آب

نہ سایہ خوش آوے نہ دھوپ اسکو بھائے
جہاں جائے وحشت لے کر ساتھ جائے

کبھو جیسے دیوانہ رووے ہنسے
کبھو شہر سے دشت میں جا بسے

کھڑا ہے کہیں ہو پریشان سا
کہیں دیکھتا ہے تو حیران سا،

کسی سے کرے بات تو دل کہیں
نہ ہرگز کہے دل کی مشکل کہیں

جو آنکھیں تھیں اس کی نظر میں سو تھیں
جو پلکیں چبھی تھیں جگر میں سو تھیں

شب و روز اس کو یہی تھا خیال،
کہ کیا خوبصورت ہیں کیا لمبے بال

کہوں خوبی کب تک کہ ہر جا سے خوب
تکلف نہیں کچھ سراپا سے خوب

قیامت ہے اس کی کمر کی لچک
سرکتی تھی دھچکے سے سر کی لچک

نظر سیمیں ساعد پہ کیا جا پڑے
کہ بجلی سی ادھر چمک آ پڑے

کفِ دست سینے پہ رکھے نہاں
تو راحت اُٹھا دے گی صد رنگ جاں

قیامت کا ٹکڑا تھا وہ قدِ راست
یہ حرف و سخن ہیں مرے راست راست

لحاظ اس کا دل ہاتھ سے لے گیا
کلام اس کا مردوں کو جی دے گیا

سخن کرنے لگتی وہ محبوب جب
تو دلکش قیامت تھی تحریکِ لب

اگر ہنستی آئے ہے وہ کامنی،
تو یوں دانت چمکے ہیں جوں دامنی

نہالِ قد اس کا تھا گلبن مثال
کفِ پا تھے گلبرگِ پائے نہال

سرا میں مسافر جو شب آ رہا
وہیں مہترانی نے جا کر کہا

کہ اے نو سفر عشق کی راہ کے
جدائی کش اس غیرتِ ماہ کے

تو اس حجرے میں جو رہا چند ماہ
سو گلخن سا ہے حالِ حجرہ تباہ

نہ لیپا گیا ہے نہ جھاڑا گیا
خرابہ سا ہے وہ اکھاڑا گیا

ہوا مزبلہ سا خس و خار سے
کہ صحبت رہی تجھ سے بیمار سے

تو اس حجرے میں چار دن جا کے رہ
رہی تھی جہاں آ کے وہ رشکِ مہ

کروں (سیم کل) جھاڑ خاشاک و خاک
یہ گھر بھی ہو پُر نور و صاف اور پاک

پھر آ رہیو اس میں ترا ہے مکاں
کوئی ..... لے گیا اس کی جاں

مسافر اسی گھر میں اُٹھ جا رہا
سکونت کو اُتنے جہاں تھا کہا،

منقش نظر آئے دیوار و در،
حنائی انھیں پنجوں کا تھا اثر

نشاں اس کے ہاتھوں کا دل لے گیا
ہر ایک نقش صد رنگ غم دے گیا

کہیں حیرتی نقشِ دیوار سا
کہیں عشق سے سست بیمار سا

اکیلا جو اس حجرے میں پا گیا،
غمِ عشق اسے ..... کھا گیا

لے = الفاظ نہیں پڑھے جا سکے

اُٹھا (اونٹ) کر خوں زجوشِ جنوں
یہ بہتا چلا زرد زار و زبوں،

ہوا فرشِ خواب اس کا فرشِ مرض
کہ تھی عشق کو مرگ اس کی غرض

بڑھی ناتوانی نہ طاقت رہی،
نہ ایک بات کرنے کی فرصت رہی

کئی دن رہا بس طلب چشم وا
وہیں شوق کش جی عدم کو گیا

مسافر سرا سے ندان اُٹھ گیا،
یہ جی اس سرا ہی میں اس کا گیا

(کیا چھوڑ پانے سرا نو سفر)
لئے ساتھ ہجراں میں داغِ جگر

نہ وارث تھا کوئی کہ اس کو اُٹھائے
رکھے نقش کاندھے پہ تا گور جائے

کچھ اس مہترانی نے تزئین کی
مروت سے تجہیز و تکفین کی،

جنازہ نکالا بڑی شان سے
نماز اس کی کی سو مسلمان سے

کیا اس سرا ہی میں مدفون اسے
کیا تھا محبت نے مجنون اسے

سیوم کر کے ماتم نہ اس کا کیا
تمام اس سفر کردہ کا غم کیا

نہ وارث تھا کوئی جو لے تعزیا
کیا کچھ تو للہ سب نے کیا،

سنا جب کہ یہ واقعہ ہو چکا
تو شادی سے وہ فارغ ہوا

زن و شو وطن کے تئیں جائیں گے
کوئی روز رہ کر یہاں آئیں گے

سرا کے ہے سب لوگوں کو انتظار
کہ کب آوے گی رشکِ باغ و بہار

سرا اس کے رہنے سے گلزار تھی
کرم خصلت و لطف کردار تھی

کہا شو نے منزل کریں گے جہاں
کوئی دن رہیں گے ضرورت کو واں،

پھر اس میں سرا ہو مکاں ہو کوئی
بیاباں ہو یا گلستاں ہو کوئی

ہمیں اس سرا میں نہ جانا ہے خوب
جہاں سے اُٹھے پھر نہ آنا ہے خوب

مبارک نہیں رجعتِ قہقری[1]
خدا جانے پیش آوے ہم سب کو کیا

زن اصرار کر اس ہی جا میں گئی
کشش عشق کی لے سرا میں گئی

اُترتے دگرگوں ہوا حالِ دل،
وہی کوٹھری میں تھی پتھر کی سِل

کھنچا عشق کے جذب سے یہ لقب
کہ مطلق نہ ہلتے تھے وہ لعلِ لب

وہ آنکھیں کہ تھیں رشکِ چشمِ غزال
ٹھٹھک رہ گئیں آئینہ کے مثال

وہ گوندھے ہوئے بال اُلجھے کئے
پریشاں ہوئے پھر نہ سلجھے گئے

گلِ سرخ رخسار مرجھا چلے
شکن کھا بہار اس کی لٹوا چلے

گیا طائرِ رنگ پرواز کر،
سلامت رہی عشق کی ساز گر

لگی رونے آزردہ ہو زار زار
گیا جذبِ اُلفت سے صبر و قرار

جگر (زن[2]) گیا عشق کے موطرف
زناں ایسی آفت میں ہو گئی تلف

---

[1] اس شعر کے قافیے غلط ہیں۔ خدا معلوم صحیح الفاظ کیا ہوں گے ۔ [2] یہاں "زن" کے بجائے "رہ" ہو تو کچھ معنی نکل سکتے ہیں۔

طرح اس کی جینے کی سی اب نہیں
کوئی دم نہیں دل کی تسکیں کہیں

وہی مضطرب ہے وہی بے حواس
وہی جذب سے عشق کے ہے اُداس

سفر کردہ کا حال پرساں ہوئی
بہت سی بہت دل پریشاں ہوئی

کہا سو کہا مہترانی سے یہ
کہ وہ یہاں جو رہتا تھا کیدھر ہے کہہ

خیال اس کا جاں سے مجھے لے گیا
مسافر عجب داغ ایک لے گیا،

سرا میں فزود آئی میں کس گھڑی
مسافر کی صورت تھی آگے کھڑی

جہاں دیکھتی ہوں پلک میں اُٹھا
اسی کی ہے ترکیب جلوہ نما

ادھر دیکھے ہے ایک حسرت کے ساتھ
کھڑا ہے خموش ایک حیرت کے ساتھ

جدھر جاؤں وہ بھی چلا جاوے ہے
مرے ساتھ پرچھائیں سا جاوے ہے

جگر جان و دل میں نہیں رہتی تاب
نہ ہے چین دل کو نہ شب کو ہے خواب

جو میں جانتی اس سرا کے یہ ڈھنگ
تو کیوں آ اُترتی مسافر کے رنگ

نہ جا سکتی ہوں اب نہ رہ سکتی ہوں
پشیمانی سے کچھ نہ کہہ سکتی ہوں

مگر شو سے مجھ کو ندامت ہوئی،
مری جان پر یہاں قیامت ہوئی

کیا عشق (شودنگ) ہوں میں بہت
کہ اس جینے سے تنگ ہوں میں بہت

نشاں دے ترے پاس رہتا تھا وہ
سدا دردِ دل تجھ سے کہتا تھا وہ،

گیا یہاں سے اُٹھ کر تو کیدھر گیا،
کہیں جا کے جیتا ہے یا مر گیا

کہا مہترانی نے بے تاب دیکھ،
کہ قربان میں اب نہ یہ خواب دیکھ

مسافر سرا میں کہا مر گیا،
جدا تجھ سے کام اپنا وہ کر گیا

کیا تیری فرقت نے اس کو ہلاک
ہوا میرے ہاتھوں سے وہ زیرِ خاک

تو ضایع نہ کر آپ کو صبر کر
غم و غصے سے جی پہ مت جبر کر

سن اس واقعے کو بہت غم کیا
عزا میں بہت حال درہم کیا

کہا حیف صد حیف بے کس موا
گڑھا گور پھر یوں میسر ہوا،

چپ اب عشق کا راز رسوا نہ ہو
خدا جانے ظاہر جو کیا کیا نہ ہو،

ترے چپکے رہنے سے ممنون ہوں
میں اس منت احساں کی مرہون ہوں

مبادا سنے شوئے ناساز کچھ
لگا دیں اسے اور غماز کچھ

سن اس زشت کاری کو ناچار ہو
مجھے ذبح کرنے کو طیار ہو،

شفاعت سے کوئی نہ پھر پیش آئے
عبث جانِ پُرآرزو میری جائے

شتاب اس کی تربت پہ لے چل مجھے
کشش اس کی رکھتی ہے بے کل مجھے

مخاطب چلی لے کے غافل اسے
کہ جاذب ہے وہ جذبِ کامل اسے

لگیں میں سہے مالوف کش اشتیاق
ہوئی زندگی مردہ سال اسکو شاق

جنازہ پہ آئی نہ تھمی وہ پری
ہوئی گور پر اس کی جلوہ گری

برابر گئی شق ہوئی اس کی قبر
گیا اس کے دل سے سکون اور صبر

شتابی گئی ساتھ والی کو چھوڑ
لیا مردہ عاشق نے گویا مروڑ

کھنچی جو گئی گرد اس گور سے
مسافر بھی آیا بہت دور سے

بغل گیر عاشق ہوئی زیرِ خاک
ہوئی ہم کناری میں آخر ہلاک،

زمیں مل گئی جب یہ آخر ہوئی
مسافر سے مل کر مسافر ہوئی

گیا ہوش اس کا جو ہمراہ تھی
زباں پر فغاں تھی بلب آہ تھی

اچنبھا سا یہ سانحہ ہو گیا
عجب طور کا واقعہ ہو گیا

حواس اُڑ گئے اس کے جتنے سنا
ٹھٹھک ہی گیا دیر تک سر دھنا

سرا میں گئی شور سے غم کیا
بہت حال کو اپنے درہم کیا

خبر شوئے ناساز کو بھی ہوئی
کہ وہ نازنیں جا سرا میں موئی

گریباں دراں خاک افشاں گیا
لبِ گور خاطر پریشاں گیا،

کہا گور کھولیں پھر بیلدار،
کہ بن آنکھوں دیکھے نہیں ہے قرار

کھلی گور دیکھا تو چسپاں ہے[1] وہ
گلے لگ رہی تھی پہ بے جاں تھی وہ

جدا کرتے مشکل جدا وہ ہوئی
کمال اشتیاق اس کو تھا جو موئی

نئی گور کر دفن دن کو کیا،
نہ غیرت سے شوہر نے ماتم کیا

بنا ایک ..... پئے ساطحہ
موافق کیا رسم کے فاتحہ

گیا[2] شو گیا شہر سے بھی گیا
کہ ہمسر کے یوں مرنے کے تھا جیا،

یہ ہے میر وہ عشق خانہ خراب
کہ جی جتنے مارے ہیں یہاں بے حساب

محابا کسو کا اسے کچھ نہیں
رہا بے محابا سدا ہر کہیں

ڈاکٹر گیان چند جین (حمیدیہ کالج بھوپال)

---

[1] اس شعر کی ردیف میں ایک مصرع میں "ہے" ہے اور دوسرے میں "تھی"۔ دونوں میں ایک ہی لفظ ہونا چاہئے۔
[2] اس شعر کے کئی الفاظ مشکوک ہیں۔

نگار کے پچھلے مکمل فائل

۴۸ء سے ۵۴ء تک کے بہ حساب پندرہ روپے فی فائل مل سکتے ہیں، لیکن یہ تمام فائل ایک ساتھ فروخت ہوں گے۔
قیمت جملہ فائل ایک سو پانچ روپیہ معہ محصول
منیجر نگار لکھنؤ

گاہے گاہے باز خواں ——

عیش یا مسرت

فرمانروائے خلد آباد کا خزانہ لعل و گہر سے مالا مال ہے اس کی حکومت لاکھوں مربع میل تک پھیلی ہوئی ہے، لطف و تفریح کے جتنے اسباب دولت سے فراہم ہو سکتے ہیں وہ سب مہیا ہیں - اسی کے ساتھ دولت حُسن بھی موجود ہے، دولت شباب کی بھی کمی نہیں - ظاہر ہے کہ اُس سے زیادہ مسرور اور کون ہو سکتا ہے، لیکن دفعتہً قصر کے اندر ایک ہنگامہ برپا ہوتا ہے، طبیبوں کے چہرے سے سخت فکر کے آثار نمودار ہونے لگتے ہیں، کیونکہ بادشاہ جو ایک زمانہ سے بیمار ہے دفعتاً نہایت شدید قسم کے درد قلب میں مبتلا ہو جاتا ہے اور کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی —— بادشاہ تڑپ رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ کوئی میری سلطنت لے لے، میری تمام دولت پر قبضہ کر لے لیکن اس عذاب سے لمحہ بھر کے لئے کسی طرح نجات دلا دے" —— ایک غریب لکڑہارا باہر قصر کے پاس سے گزرتا ہوا دل ہی دل میں کہتا ہے کہ " دولت بھی کیا چیز ہے، کاش مجھے بھی حاصل ہوتی اور میں بھی ایسی ہی مسرور زندگی بسر کرتا جیسی بادشاہ بسر کر رہا ہے -

---

ملکۂ نسرین جو دولت کے لحاظ سے پھولوں کی رانی مشہور ہے، اپنے پاس کیا کچھ نہیں رکھتی - وہ ہمیشہ مخمل و حریر کی نرمی میں سوئی اور لعل و الماس کی روشنی میں بیدار ہوئی - اس نے ہمیشہ پھولوں کی چادروں پر قدم رکھا اور نغمہ و رنگ کی فضا میں آنکھ کھولی — حسن و جمال کا یہ عالم کہ

جو در پہ آ گیا اسے دیوار کر دیا

شباب کا یہ رنگ کہ جس نے ایک بار دیکھا جی سے بیزار ہو گیا

سنگِ مرمر کے حوضوں میں بلوریں فوارے چاروں طرف موتی بکھیر رہے ہیں، باغ کے کنجوں میں ہر جگہ تلاطم نکہت برپا ہے، پھولوں کی کثرت نے قصر کے گوشہ گوشہ کو سیلاب رنگ سے لبریز کر رکھا ہے، بربط و رباب کے تاروں سے راگنیاں بلند ہو ہو کر فضا میں مستی کی کیفیت پیدا کر رہی ہیں —— مگر —— ملکۂ نسرین ایک کمھلائے ہوئے پھول کی سی افسردگی لئے ہوئے بیچ پر پڑی ہوئی ہے اور ریشمی تکیے اس کے نہ تھم سکنے والے آنسوؤں سے تر بتر ہو رہے ہیں، کنیزیں التجائیں کر رہی ہیں، لیکن اس کی ہچکیاں بند نہیں ہوتیں ؟ -

صرف اس لئے کہ شاہزادہ نیلوفر جس کے عشق میں وہ برسوں سے مبتلا تھی کسی اور سے محبت کرنے لگا ہے —— ٹھیک اسی وقت ایک غریب کسان کی بیوی ٹھنڈی سانس بھر کر قصر کے سامنے سے یہ کہتی ہوئی گزر جاتی ہے کہ —— " ملکۂ نسرین بھی کیسی خوش نصیب عورت ہے، کاش میں بھی ایسی ہی مسرور زندگی بسر کرتی -

---

حقیقتوں پہ پردے پڑے ہوئے ہیں اور پردوں کے نقش و نگار کو حقیقت باور کیا جاتا ہے —— یہ ہے انسانی تمناؤں کی ذہانت اور یہ ہے ہماری آرزوؤں کی انتہائی فراست —— ایک غریب تمنا کرتا ہے، کاش وہ دولتمند ہوتا، ایک دولتمند اپنے بہت سے روحانی آزار دور کرنے کے لئے غریب ہونے کی آرزو کرتا ہے، ایک فقیر بادشاہ کی جاہ و ثروت کو رشک کی نگاہوں سے دیکھتا ہے، اور ایک بادشاہ اس آزادی کے لئے تڑپ رہا ہے جو فقیر کو حاصل ہے -

سوال یہ ہے کہ انسان عیش کا خواہشمند ہے یا مسرت کا کیونکہ سامانِ عیش سامانِ مسرت نہیں اور اسبابِ مسرت اسبابِ عیش نہیں۔ پھر اکثر ایسے ہیں جو عیش کو مسرت جان کر اُسی کی تمنا کرتے ہیں اور کمتر ایسے ہیں جو صرف مسرت کے طلبگار ہیں اور عیش کے خواہشمند نہیں۔

عیش نام ہے جسم کی آسایش کا اور خواہشِ نفس کی تسکین کا۔ مسرت نام ہے نفس کے اطمینان اور روح کی راحت کا ـــــ پھر یہ تو ٹھیک ہے کہ اسباب عیش حاصل ہونے کے بعد انسان مسرت روح کے لئے تڑپتا ہے لیکن راحت روح سے آشنا ہونے کے بعد سامانِ عیش کی جستجو کرنا کیا معنی ؟

اس وقت جبکہ دُنیا میں مادّہ روح سے برسرِ پیکار ہے، عیش کی خواہش مسرت کے صحیح مفہوم کو دُنیا سے محو کر دینا چاہتی ہے یعنے اس وقت جبکہ زر و دولت کی محبت نے دُنیا کے اقتصادی و معاشی وسایل کو یکسر آئینِ درندگی بنا رکھا ہے کیا یہ سوچنے کی بات نہیں کہ اس کا نتیجہ کیا ہونے والا ہے اور جس عمیق غار کی طرف "انسانیت" کو ڈھیلا کیا جا رہا ہے اس سے بچنے کی کوئی تدبیر ہے یا نہیں ؟

امریکہ بیتاب ہے کہ ساری دُنیا کی دولت اس کے قبضہ میں آجائے، فرانس مضطرب ہے کہ جرمنی پر اس کا تسلط قایم ہو جائے، جرمنی بے قرار ہے کہ فرانس کو فنا کر دے، اٹلی بیچین ہے کہ رومہ کی قدیم سطوت استبداد کو پھر زندہ کر دے، جاپان کوشش کر رہا ہے کہ وہ ایشیاء کو محکوم بنالے۔ لیکن کیا کوئی ایسی قوم بھی ہے جس نے جغرافی و ملکی امتیاز کو مٹا کر صرف "انسانیت" کی خدمت کو اپنا مقصود قرار دیا ہو ؟

یہ ہے مادی ترقی کا وہ پہلو جس پر آج فخر کیا جاتا ہے اور یہ ہے علم و حکمت کی کاوشوں کا وہ منظر جسے انسان کا منتہائے نظر قرار دیتے ہیں ـــ پھر آج تو نہیں کل وہ وقت آئے گا، جب انسانیت کا خون آلود چہرہ لوگوں کی نگاہ سے اس حجاب کو دور کر دے گا اور بتائے گا کہ عیش کی راہیں مسرت کی راہوں سے بالکل مختلف ہیں اور وہ جسم جو عرصہ تک پھولوں پر لوٹتے رہے ہیں، اُن کے لئے آخر کار پنکھڑیاں بھی خار ہو جایا کرتی ہیں

یقیناً حصولِ مسرت، حصولِ عیش کا منافی نہیں بشرطیکہ "عیش" انفرادی حیثیت نہ اختیار کرلے، لیکن انسان کی اس خود غرضی کو مٹانیوالا کون ہو سکتا ہے ؟ کیا وہ انسانی قانون جو صرف تیغ و تفنگ کی مدد سے ایک کو غالب اور دوسرے کو مغلوب قرار دیتا ہے ؟ کیا مادی علوم و فنون کی ترقی جو سب سے زیادہ مہلک گیس طیار کر کے انسان پر عرصۂ حیات تنگ کر دینا چاہتی ہے ؟ کیا سرمایہ و دولت کا وہ نظام استعماری جو کمزور و ضعیف انسانوں کا صرف خون نچوڑ سکتا ہے ؟ ـــ نہیں ـــ بلکہ صرف وہ بلند تعلیم جو تمام نوعِ انسانی کو ایک رشتۂ اخوت سے وابستہ کرنا چاہتی ہو وہ نظام اخلاق جو رنگ و نسل کے امتیاز کو مٹا کر جملہ افرادِ انسانی کو ایک سطح پر لانا چاہتا ہے وہ اُصولِ حیات جو اسپارٹا والوں کی طرح ضعیف و کمزور کو ہلاک کر دینے کا حامی نہیں ہے، وہ طریقِ ہدایت جو ترقی مفہوم زر و دولت کا انبار نہیں بلکہ صرف دُنیا کا امن و سکون قرار دیتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ ایسی بلند تعلیم صرف ایک ہے، ایسا نظامِ اخلاق صرف ایک ہے، یہ اصولِ حیات صرف ایک مسلک نے بتایا، یہ طریقِ ہدایت صرف ایک مذہب نے پیش کیا ـــ لیکن اب اس تعلیم و مذہب کی جستجو کہاں کی جائے ـــ کتابوں میں ؟ مگر عمل کو کتابوں سے کیا تعلق ـــ اُن انسانوں میں جو اب موجود نہیں ہیں ؟ مگر اس سے نتیجہ ـــــ ! ـــ اُن مدعیان بلند بانگ کی زندگی میں جو اس وقت موجود ہیں ـــــ ! ـــ ہاں مگر اس لئے نہیں کہ اُن سے کوئی درس حاصل کیا جائے، بلکہ صرف اس لئے کہ اس تعلیم پر آنسو بہایا جائے جس کے یہ علمبردار ہیں اور اس مذہب کے جنازے پر ماتم کیا جائے جس کو دفن کرنے کے لئے یہ نہایت تیزی سے اپنے شانوں پر اُٹھائے لئے جا رہے ہیں

عورت اور اسلام　مالک رام صاحب، ایم۔ اے کی مشہور مورخانہ کاوش کا نتیجہ ہے جس میں انھوں نے عورت کی زندگی کے ہر پہلو پر اسلامی نقطۂ نظر سے گفتگو کی ہے۔ قیمت تین روپیہ۔
منیجر نگار۔ لکھنؤ

مشاعرۂ نگار

جولائی کے نگار کے لئے مصرع طرح ، مولانا حسرت موہانی کی غزل سے لیا گیا تھا - افسوس ہے کہ اس میں بہت کم اچھے اشعار نکل سکے - بہرحال ان تمام حضرات کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے جنھوں نے ہماری دعوت کو قبول کیا اور ان شعراء کی خدمت میں معذرت جن کا کوئی شعر انتخاب میں نہ آسکا

اثر انصاری :-

بہت دشوار ہے راہِ طلب میں گام زن ہونا
نشانِ جادۂ منزل غبارِ کارواں تک ہے

احسان دربھنگوی :-

دلوں کا مضطرب جذبہ، نظر کا منفعل شکوہ،
مری حیرت، ترا عشوہ، کنایوں کی زباں تک ہے
ملے گی روشنی احساں نظر کی گرد تو پوچھو
کہ یہ سارا اندھیرا بس غبارِ کارواں تک ہے

اکرم دھولیوی :-

اُجالا شامِ گلشن کا نہ پوچھو اب کہاں تک ہے
چراغِ آشیاں کا سلسلہ برقِ تپاں تک ہے
نگارِ آرزو شمعِ فروزاں ہی سہی لیکن
بہارِ آرزو پروانۂ آتش بجاں تک ہے
شکایت کے لئے اپنی زباں ہیں کس طرح کھولوں
ستم ہائے جہاں کا سلسلہ اُس مہرباں تک ہے
گزر دشواریِ راہِ وفا سے بے نیازانہ
غمِ بیچارگی اندیشۂ سود و زیاں تک ہے
بڑھے جاتے ہیں آوازِ جرس پر راہرو لیکن
امیرِ کارواں کا راز امیرِ کارواں تک ہے
کہاں ہوتے ہیں پھر ایسے خرابِ آرزو پیدا
یہ رنگِ بیقراری اکرم آشفتہ جاں تک ہے

انجم دھولیوی :-

نوائے عشق کی لے ٹوٹ جائے گی تو کیا ہوگا
زمانہ گوش بر آوازِ مہری داستاں تک ہے

پُرفن دھولیوی :-

یہ لطفِ چارہ سازی، چارہ گر دردِ نہاں تک ہے !!
ہماری بیقراری تیری سعیِ رائگاں تک ہے
مسلسل تیرے جلوے ہیں جہاں تک ہے نظر میری
جہاں تک جلوہ گر تو ہے نظر میری وہاں تک ہے

حفیظ رزاقی :-

سرور و کیف کا عالم، نیاز و ناز کی باتیں،
وہ کیا جانے رسائی جس کی سنگِ آستاں تک ہے
نظر بڑھتی نہیں آگے حدودِ شوقِ پیہم سے
ترے جلووں کی رعنائی حجابِ درمیاں تک ہے

حبیب آروی :-

چمن والو میسّر اب تمھیں آسودگی ہوگی
یہ چشمک بجلیوں کی بس ہمارے آشیاں تک ہے
بہاراں میں تمنائے بہاراں کون کرتا ہے
نشاطِ انتظارِ فصلِ گل دورِ خزاں تک ہے

رگھبیر داس ساحر، جالندھری :-

نجانے اس قدر سہمے ہوئے ہیں کیوں چمن والے
رسائی برق کی تو صرف میرے آشیاں تک ہے

جنوں کی کارفرمائی کو یہ بے مایہ کیا سمجھے — رسائی عقل کی اندیشۂ سود و زیاں تک ہے

شارق میرٹھی ام - اے :-

کوئی کیا جانے اُس کے حسن کی دنیا کہاں تک ہے — وہیں تک دیکھ سکتا ہے نظر جس کی جہاں تک ہے
تڑپتا ہوں کسی کی یاد میں اور یہ سمجھتا ہوں — یہ بے چینی محبت کی فقط عمرِ رواں تک ہے
خلش بڑھتی چلی جاتی ہے ہر لحظہ نگاہوں کی — خدا جانے ہمارے شوق کا عالم کہاں تک ہے

شفقت کاظمی، ڈیرۂ غازی خاں :-

وہی اہلِ چمن ہوں گے وہی دورِ طرب ہوگا — یہ برق و باد کی یورش ہمارے آشیاں تک ہے
ملے گی اضطرابِ غم سے پھر فرصت کہاں تجھکو — ترا ذوقِ ستم کوشی مرے ضبطِ فغاں تک ہے
جفائے یار بھی اپنے مقدر میں نہیں شفقت — خدا جانے مری ناکامیوں کی حد کہاں تک ہے

صہبا - پٹنہ :-

دلِ بیتاب تک ہے یا جہاں تم ہو وہاں تک ہے — نہیں معلوم دردِ عشق کی دنیا کہاں تک ہے
مٹا دے گی کبھی شاید حدودِ قید و آزادی — یہ زنجیرِ تصور جو قفس سے آشیاں تک ہے

غریب وصولیوی :-

جو تیرا غم نہ ہوگا کیا رہے گا بزمِ ہستی میں — یہ ساری گرمیٔ بازار اس جنسِ گراں تک ہے
یہ میں نے آج کس کے آستانے پر جبیں رکھدی — نظر کے سامنے روشن فضائے لامکاں تک ہے

ایم - آئی فائز :-

جو ممکن ہو تو امکاں کی حدوں کو اور پھیلا دو — اور اس کے بعد دیکھو میری بیتابی کہاں تک ہے
نہ ٹھہرا عالمِ ہستی میں کوئی کارواں اب تک — بس اس صحرا کی رونق نقشِ پائے رفتگاں تک ہے

نظر شاہجہاں پوری :-

تڑپ جاؤ گے آوازِ شکستِ دل سنی جسدم — تمھاری کم نگاہی التماسِ بے زباں تک ہے

نور :-

منور محفلِ دیر و حرم ہے شمعِ اُلفت سے — کچھ آگے بڑھ کے دیکھیں روشنی اس کی کہاں تک ہے

وحید رائے بریلی :-

وہ منزل کیا، نشانِ جادۂ منزل نہ پائیں گے — مذاقِ جستجو جن کا غبارِ کارواں تک ہے

ستمبر کے لئے یہ مصرع طرح تجویز کیا جاتا ہے :-

شیوۂ عشق نہیں حسن کو رسوا کرنا

امید ہے کہ ۲۰ اگست تک غزلیں ہم کو مل جائیں گی -

طلسمِ مستقل

فضا ابن فیضی :-

فرشِ سبزہ پر یہ مے ڈھلتی ہوئی
شمع سی ہر کنج میں جلتی ہوئی

یہ حسیں یادوں کا نازِ ارتباط،
یہ شمیمِ لطف یہ بوئے نشاط،

کیف برساتی ہوئی صبحِ مراد
لمحہ لمحہ خلد گوں، مینو سواد،

یہ طباشیرِ سحر یہ مشکِ شام،
حُسنِ فطرت کا یہ سودائے ناتمام

وادیاں رنگیں، کہستاں سبزہ پوش
ذرّہ ذرّہ دہر کا جنّت بدوش

وہ صراحی اور پیمانوں کی آگ،
مطربِ خوش لہجہ کی تانوں کی آگ

یہ ہوا کی مستیِ صہبا سرشت
یہ کنارِ آب یہ سبزہ یہ کشت

یہ جوانی یہ حدیثِ آب و رنگ
کیف میں ڈوبی ہوئی دل کی امنگ

ہر نفس پروردۂ کیفِ خمار،
ہر نظر آسودۂ روئے نگار

پھول کی پتی سے بھی نازک یہ لب
یہ نشیلی انکھڑیاں جانِ طرب

یہ نگاہوں کی بہارِ جاوداں
زلف کے بل میں طرازِ کہکشاں

یہ بدن کا لوچ، اداؤں کا غرور،
جام میں ڈھلتا ہوا صہبا کا نور

یہ لبوں کے غنچے رخساروں کے پھول
یہ شباب و حُسن کے کمسن رسول،

غازہ ہر رُخ ہے نگارِ کائنات
آہ! یہ چاندی کے دن سونے کی رات

تا کجا آخر فریبِ آب و گل،
زندگی ہے اک سرابِ مستقل

کہہ رہے ہیں دامنِ ہستی کے چاک
بے بقا ہے - طلسمِ خوابناک

دیکھ! بادِ مرگ جب لہرائے گی
جنتوں کی شمع گل ہو جائے گی

غزل - (ارشد کاکوی) :-

کیا ہوا ہے مجھے ناگاہ کوئی کیا جانے
جبکہ خود میں نہیں آگاہ کوئی کیا جانے

پھول ہی پھول سہی راہِ محبت لیکن
کتنی دشوار ہے یہ راہ کوئی کیا جانے

اور راتیں تو کسی طرح سے کٹ جاتی ہیں
کیا گزرتی ہے شبِ ماہ کوئی کیا جانے

رہروؤں کو ہے فقط اپنی ہی منزل کی لگن
کون بیٹھا ہے سرِ راہ کوئی کیا جانے

خواب

(ساقی جاوید بی۔اے)

یہ تصور کے دئے بجھتے ہوئے جلتے ہوئے
یہ کسی آذر کی صنعت یہ کسی مانی کا فن
دامنِ تخئیل سے اُٹھتا ہوا سا اک دھواں
عکس ہائے روز و شب اک آئینہ خانہ میں ہیں
نقش ہائے نو بہ نو بنتے بھی ہیں مٹتے بھی ہیں
بام و در بھی، چلمنیں بھی، سرمئی آنچل بھی ہیں
مشعلیں بجھتی بھی ہیں بجھ کر دئے جلتے بھی ہیں
نکہتیں، جلوے، دھندلکے، آگ، سناٹے، شباب
لو وہ دیکھو خواب کی سرحد نظر آنے لگی،
لو حدودِ نغمہ و مستی میں داخل ہو گئے
ہم کسی شہناز کے مہمان بن جانے کو تھے
ہم کسی کے دیس کا سنگیت سننے آئے تھے
ہم کسی کے آتشیں رخسار چھونے ہی کو تھے
آندھیاں چلنے لگیں طوفان سے اُٹھنے لگے
جل اُٹھے دار و رسن بھی گنبد و مینار بھی
اے خوشا گیتی کہ خونیں انقلاب آنے لگا
صبح کے منبر سے وہ دینے لگا کوئی اذان
ایک سیلِ شوق، اِک جوشِ جنوں درکار ہے

ایک افسانے میں لاکھوں حادثے ڈھلتے ہوئے
آتشیں سا میکدہ شعلہ فشاں سی انجمن
ایک نخلستان میں ٹھہرا ہوا سا کارواں
جانے کتنی محفلیں اس ایک ویرانے میں ہیں
زیست کے مہرے یہاں بڑھتے بھی ہیں پٹتے بھی ہیں
کھیت بھی، پنگھٹ بھی ہیں، جھیلیں بھی ہیں بادل بھی ہیں
قافلے رکتے بھی ہیں، اہلِ سفر چلتے بھی ہیں،
جانے کتنی داستانوں پر ہے اک بنیادِ خواب
زہرہ و مہتاب کی سرحد نظر آنے لگی،
ہم کسی محبوب کی بستی میں داخل ہو گئے
کتنے افسانوں کے ہم عنوان بن جانے کو تھے
ہم کسی لالہ کدے میں پھول چننے آئے تھے
عنبریں انفاس کی رفتار چھونے ہی کو تھے
سینکڑوں شعلے ہر اک ایوان سے اُٹھنے لگے
مصر کے شاہی محل بھی روم کے بازار بھی
اک پیامِ تازہ لے کر آفتاب آنے لگا
"وقت لینا چاہتا ہے ایک خونیں امتحان"
اس فسانے کے لئے تھوڑا سا خوں درکار ہے

رمزی ترمذی بھوپالی :-

مرے قصّے سے اُن کی داستاں تک بات جا پہونچی
کہاں سے بات نکلی تھی کہاں تک بات جا پہونچی
سمجھ کر رازِ جاں جس کو چھپایا۔ کھا تھا سینے میں
وہ جانے دل سے وہ کیونکر زباں تک بات جا پہونچی
بہار اپنے جلو میں لائی تھی رنگینیاں لیکن
گریباں چاکیِ گل سے خزاں تک بات جا پہونچی
کچھ اس انداز سے صحنِ چمن میں بجلیاں کوندیں
اسیری میں قفس سے آشیاں تک بات جا پہونچی
کسی قابل نہ تھی میری متاعِ بندگی رمزی
مرے سجدوں کی اُن کے آستاں تک بات جا پہونچی

تتمہ سالنامہ ۱۹۵۵ء

(علومِ اسلامی وعلماءِ اسلام نمبر)

فہرست

آل حسن قنوجی	(مفسر و محدث)	۳
ابن بری	(ماہر قرأت)	۳
ابن حماد	(مورخ)	۳
ابن الراوندی	(فیلسوف)	۳
ابن سید الناس	(محدث)	۴
ابن عذاری	(مورخ)	۴
ابن العوام	(ماہر زراعت)	۴
ابن الفرات	(مورخ)	۴
ابن قاسم	(مالکی فقیہ)	۴
ابن کثیر	(ماہر قرأت)	۴
ابن مسیح	(ماہر موسیقی)	۴
ابن نجیم	(فقیہ)	۵
ابن ہبل	(طبیب)	۵
ابن ہشام	(نحوی)	۵
ابو ابراہیم	(شافعی فقیہ)	۵
ابو اسماعیل	(مورخ)	۵
ابن زکریا	(مورخ)	۵
ابو سلیمان	(مورخ)	۵
ابو طالب حسینی	(مورخ)	۶
ابو عبداللہ	(شیعی فقیہ)	۶
ابو عبیدہ	(ادیب)	۶
احمد بن محمد	(مورخ)	۶
احمد رضا خاں	(فقیہ)	۶
احمد طلا	(مورخ)	۷
احمد یادگار	(مورخ)	۷
ارادت خاں	(ادیب)	۷
اسحاق موصلی	(ماہر موسیقی)	۷
اسلم جیراجپوری	(مورخ)	۸
اکبر شاہ خاں	(مورخ)	۸
الہ داد سلطانپوری	(فقیہ)	۸
امان علی	(مفسر)	۸
الایجی	(فلسفی)	۹
اوحد الدین	(ادیب)	۹
باجوری	(محدث)	۹
بہاؤ الدین	(ادیب)	۹
بہزاد	(نقاش)	۹
تراب علی	(مفتی)	۹
ترمذی	(فقیہ)	۱۰
تفضل حسین	(شیعی عالم)	۱۰
تلمسانی	(مالکی فقیہ)	۱۰

قیمت ۸ر

جمیلہ (ماہر موسیقی) ۱۰
حسن صفائی (محدث) ۱۰
علاج (مورخ) ۱۰
علی شیرازی (شیعی عالم) ۱۱
حمداللہ (منطقی) ۱۱
حمزہ اصفہانی (مورخ) ۱۱
حیدر رازی (مورخ) ۱۱
حیدر علی (منطقی) ۱۱
خازنی (فلسفی) ۱۲
خزرجی (عروضی) ۱۲
دارقطنی (محدث) ۱۲
درجینی (مورخ) ۱۲
دولت آبادی (مورخ) ۱۲
رضا قلی (شاعر) ۱۲
سعداللہ (عالم) ۱۳
سلام اللہ (محدث) ۱۳
سکاری (فقیہ) ۱۳
سلامت اللہ (فقیہ) ۱۳
سہروردی (صوفی) ۱۳
سید محمد جونپوری (مدعی مہدویت) ۱۴
سیف بن عمر (مورخ) ۱۴
سیفی (عروضی) ۱۴
شرف الدین یزدی (مورخ) ۱۴
شریشی (ادیب) ۱۵
شریف رضی (ادیب) ۱۵
شمس الدین شیرازی (شاعر) ۱۵
شیخ مبارک (عالم) ۱۶
صدیق حسن خاں (عالم) ۱۶
صفدری (مورخ) ۱۶
صفی الدین (مغنی) ۱۶
ضبی (مورخ) ۱۷
ضیاء الدین (ادیب) ۱۷
طغرائی (ادیب) ۱۷
عبدالقادر بن عمر (ادیب) ۱۷
عبدالرشید (لغت نویس) ۱۷
عنایت اللہ (مورخ) ۱۸
محاسبی (شافعی فقیہ) ۱۸
محمد بہرم (محدث و فقیہ) ۱۸
محمد عبدالباقی (مورخ) ۱۸
محمد بقا (مورخ) ۱۹
محمد عبدالقادر غیبی (ماہر موسیقی) ۱۹
فاسی (مورخ) ۱۹
فاروقی (ادیب و فلسفی) ۲۰
فخرالدین (فقیہ) ۲۰
قرۃ العین (بابی مبلغ) ۲۰
کاتبی (فلسفی) ۲۱
کلبی (مورخ) ۲۱
قیام الدین عبدالباری (عالم) ۲۱
عبدالحلیم (عالم) ۲۲
طاہر گجراتی (محدث) ۲۲
محمد فاروق (فلسفی) ۲۲
محمد مرتضیٰ (عالم) ۲۲
مغارق (مغنی) ۲۲
مخدوم الملک (مورخ) ۲۳
میر طاہر (مورخ) ۲۳
میر محمد معصوم (مورخ) ۲۳
نظام بدخشی (فقیہ) ۲۳
نظامی حسن (مورخ) ۲۴
نعمت اللہ (مورخ) ۲۴
نعمت خان عالی (ادیب) ۲۴
نہروالی (مورخ) ۲۴
یحییٰ بن احمد (مورخ) ۲۴

تتمہ سالنامہ ۱۹۵۵ء

۱ - آلِ حسن قنوجی ابن اولاد علی ——— ولادت (قنوج) : ۱۲۱۰ھ / ۱۷۹۵ء — ۱۲۷۳ھ / ۱۸۵۷ء

ابتدائی تعلیم قنوج میں ہوئی، اس کے بعد لکھنؤ گئے اور پھر وہاں سے دہلی پہونچ کر تفسیر و حدیث کی تکمیل مولانا عبدالعزیز اور مولانا شاہ رفیع الدین سے کی۔ بعد کو یہ سید احمد بریلوی کے مُرید ہوکر جہاد میں ان کے ساتھ شریک ہوئے۔ فارسی، عربی اور اُردو میں آپ کی متعدد تصانیف ہیں:

ہدایت المومنین - نورالوفا - ردتعزیہ - تقویۃ الیقین -

حوالہ: (تذکرۂ علماء ہند - رحمان علی)

---

۲ - ابن برّی، ابوالحسن علی بن محمد بن علی بن محمد بن الحسین الرباطی

ولادت (تازا) : ۶۶۰ھ / ۱۲۶۱ء — وفات (تازا) : ۷۳۰ھ / ۱۳۲۹ء یا ۷۳۱ھ / ۱۳۳۰ء یا ۷۳۳ھ / ۱۳۳۲ء

علوم اسلامی اور خصوصیت کے ساتھ علم تجوید کے بڑے ماہر تھے۔ یہ گورنر تازا کے میر منشی تھے۔ ان کی تصانیف میں صرف دو باقی رہیں:

مخارج الحروف - الدرّاللوامع -

حوالہ: (النجوم الطوالع)

---

۳ - ابن حمّاد، ابوعبداللہ محمد بن علی

عرب مورخ تھے، انھوں نے فاطمیین کی بڑی بسیط تاریخ لکھی۔ تاریخ پیدایش و وفات کا پتہ نہیں چل سکا۔ ان کا زمانہ الموحدون کی حکومت کے بعد ابن خلدون سے پہلے تھا۔

حوالہ: (دائرۃ المعارف اسلامیہ)

---

۴ - ابن الراوندی، ابوالحسین بن یحییٰ بن اسحاق ——— ولادت: (تیسری صدی ہجری کی ابتدا) وفات: (دسویں تیسری صدی ہجری)

اول اول یہ عقاید اعتزال رکھتے تھے اور معتزلہ کے بڑے زبردست موید تھے، لیکن بعد کو یہ میدان بھی انھیں تنگ نظر نظر آیا اور معتزلہ پر بھی لکھنا شروع کیا۔ اس کے بعد شیعی عقاید اختیار کئے اور پھر ابواسحاق الوراق کی صحبت میں بیٹھ کر ملحد ہوگئے اور نہ صرف اسلام بلکہ تمام مذاہب عالم کے خلاف سخت نکتہ چینی شروع کردی۔ یہ غیر معمولی ذہین شخص تھے اور عنفوان شباب ہی میں ان کی قابلیت کا سکہ لوگوں کے دلوں پر بیٹھ گیا تھا۔

ان کی تصانیف میں خاص خاص قابل ذکر یہ ہیں: کتاب فضیحۃ المعتزلہ (عقاید اعتزال کے رد میں) - کتاب الدامغ (قرآن پر نکتہ چینی)

حوالہ: (کتاب الانتصار - (فہارط))

---

۵ - ابن سیدالناس فتح الدین ابوالفتح محمد بن ابی بکر محمد الیعمری الاندلسی ——— ولادت (قاہرہ): ۶۷۱ھ / ۱۲۷۲ء

مورخ و محدث تھے۔ قاہرہ و دمشق میں تعلیم پائی اور مدرسہ ظاہریہ (قاہرہ) میں حدیث کی تعلیم پر مامور ہوئے۔ انھوں نے سیرۃ الرسول پر ایک

کتاب لکھی : " عیون الآثار فی فنون المغازی، الشمایل والسیر" متعدد قصاید بھی لکھے جن میں سے ایک " بشری اللبیب فی ذکر الحبیب کے عنوان سے شایع ہوچکا ہے۔

حوالہ (دائرۃ المعارف)

---

۶ - ابن عذاری، ابوعبداللہ محمد المراکشی

اسپین و مغرب کے مورخ تھے۔ ان کے حالات تاریکی میں ہیں۔ ساتویں صدی ہجری کے اخیر میں پائے جاتے تھے۔ انھوں نے ایک تاریخی کتاب لکھی : " البیان المغرب فی اخبار المغرب"

حوالہ : (دائرۃ المعارف)

---

۷ - ابن العوام، ابوزکریا یحییٰ بن محمد بن احمد بن العوام الاشبیلی

ان کے حالات تاریکی میں ہیں۔ بارھویں صدی عیسوی کے اخیر میں پائے جاتے تھے۔ فن زراعت پر ایک بڑی بسیط تصنیف کی جس کا نام :- " کتاب الفلاحتہ " ہے۔

حوالہ: (دائرۃ المعارف)

---

۸ - ابن الفرات، ناصیر الدین محمد بن عبدالرحیم بن علی المصری ——— ولادت: ۷۳۵ھ / ۱۳۳۴ء — وفات: ۸۰۷ھ / ۱۴۰۵ء

مورخ تھے۔ ان کی تصنیف " تاریخ الدول والملوک " بڑی مشہور کتاب ہے۔

حوالہ: (دائرۃ المعارف)

---

۹ - ابن قاسم، ابوعبداللہ عبدالرحمان بن القاسم العتقی ——— وفات (قاہرہ): ۱۹۱ھ / ۸۰۶ء

امام مالک کے نہایت ممتاز شاگرد و جانشین تھے۔ اسپین میں مالکی مسلک کا رواج انھیں کی وجہ سے ہوا۔ ان کی تصنیف مدونہ۔ حنبلی مسلک کی کتابوں میں بڑی شہرت رکھتی ہے۔

حوالہ: (ابن خلکان)

---

۱۰ - ابن کثیر، عبداللہ ابوبکر ابوسعید۔ ——— ولادت (مکہ): ۴۵ھ / ۶۶۵ء — وفات: ۱۲۰ھ / ۷۳۸ء

قرآن کے سات مشہور قاریوں میں سے ایک تھے۔ یہ ایرانی النسل تھے اور ان کا خاندان جنوبی عرب میں آباد ہوگیا تھا۔ مکہ میں قاضی کی حیثیت سے بھی کچھ دنوں کام کیا ہے۔

حوالہ جات : (ابن ندیم - ابن خلکان)

---

۱۱ - ابن مسجح، ابوعثمان سعید ——— ولادت (مکہ): وسط ساتویں صدی ہجری — وفات: ۱۱۵ھ / ۷۱۳ء

عہد امیہ کے سب سے بڑے موسیقار تھے۔ حبشی النسل مولی تھے جنھیں ان کے مالک معاویہ اول نے آزاد کردیا تھا۔ انھیں گانے کا شوق ان ایرانی معماروں کا گانا سن کر ہوا جو اس وقت مکہ میں کام کر رہے تھے اور پھر شام جاکر وہاں کے بڑے نوازوں اور ماہرین موسیقی سے یہ فن حاصل کیا۔ اس کے بعد یہ فارس گئے اور وہاں کے نایکوں سے تعلیم حاصل کرکے حجاز لوٹے اور ان کے گانے کی دھوم مچ گئی۔ یہاں تک کہ زیادہ سخت مذہبی آدمیوں نے گورنر مکہ سے درخواست کی کہ ان کا گانا ممنوع قرار دینا چاہئے۔

جب اموی خلیفہ عبدالملک کو خبر ہوئی تو انھیں اپنے پاس دمشق بلالیا اور بڑی عزت کی۔ کہا جاتا ہے کہ اول اول انھوں نے ہی عرب نغموں کو ایرانی نغموں کی صورت میں پیش کیا۔ عرب کے مشہور موسیقاروں میں ابن سریج، ابن محرز، الغریض اور یونس الکاتب سب انھیں کے شاگرد تھے۔

حوالہ: (کتاب الاغانی)

---

۱۲ - ابن نجیم، زین العابدین بن ابراہیم بن نجیم المصری ——— ولادت : ابتداء دسویں صدی ہجری — وفات : ۹۷۰ھ/۱۵۶۲ء

فقہ حنفی کے مشہور عالم تھے، ان کی تصانیف مشرق میں بہت مقبول ہوئیں - خاص تصانیف یہ ہیں :-

الاشباہ والنظایر الفقہیہ - البدر الرائق (شرح کنز الدقایق) النقادی الزینو

حوالہ : (دائرۃ المعارف)

---

۱۳ - ابن ہُبَل، مہذب الدین ابو الحسن علی بن احمد ——— ولادت (بغداد : ۵۱۵ھ/۱۱۲۲ء — وفات : ۶۱۰ھ/۱۲۱۳ء

طبیب، نحوی وفقیہ تھے - اخیر میں یہ بدر الدین لولو فرمانروائے ماردین کے دربار کے طبیب ہوگئے تھے - انکی خاص تصنیف "المختصر فی الطب" ہے -

حوالہ جات : (ابن القفطی - ابن ابی عصیبیہ)

---

۱۴ - ابنِ ہشام، جمال الدین ابو محمد عبداللہ بن یوسف بن احمد بن عبداللہ بن ہشام الانصاری المصری

ولادت (قاہرہ) : ۷۰۸ھ/۱۳۰۹ء (قاہرہ) : ۷۶۱ھ/۱۳۶۰ء

مشہور نحوی ابو حیان کے شاگرد اور شافعی مسلک کے ماہر قرآن و متعدد تصانیف کیں - بعض یہ ہیں :-

قطر الندا و بل الصدا (نحو) - شذور الذہب فی معرفۃ کلام العرب (ادب) — القواعد الاعراب (نحو)

حوالہ جات : (سیوطی - ابن خلدون)

---

۱۵ - ابو ابراہیم اسماعیل ابن یحییٰ المزنی ——— وفات : ۲۶۴ھ/۸۷۸ء

امام شافعی کے نہایت مشہور شاگرد تھے اور علم حدیث و فقہ کے بڑے ماہر سمجھے جاتے تھے - جامع صغیر کے علاوہ انھوں نے اور تصانیف بھی کیں :- مختصر - منصور - رسایل المعتبرہ - کتاب الوثائق

حوالہ : (ببل)

---

۱۶ - ابو اسماعیل محمد

تاریخ فتوح الشام کے مصنف، جس میں حضرت عمر کی دو اہم جنگوں کا حال درج ہے جو انھوں نے ۲۳۸ھ میں فتح شام کے لئے لڑی تھیں - یہ کتاب طبقات واقدی کا ترجمہ و خلاصہ ہے -

حوالہ : (ببل)

---

۱۷ - ابو زکریا یحییٰ بن ابی بکیر

ورگلا کے رہنے والے تھے - انھوں نے رستمیین اور اباضیین کے حالات میں ایک تاریخ لکھی جس کا نام "کتاب السیرۃ و اخبار الائمہ" ہے جو اس عہد کی نہایت قدیم و مستند تاریخ سمجھی جاتی ہے

حوالہ : (دائرۃ المعارف)

---

۱۸ - ابو سلیمان داؤد بن ابو الفضل بن محمد فخر بنا کیتی

ماوراء النہر کے ایک قریہ بناکیت میں پیدا ہوئے جس کا نام بعد کو شاہرتیہ ہوگیا - انھوں نے ایک تاریخی کتاب "روضۃ الالباب فی تواریخ الاکابر والانساب" لکھی جسے تاریخ بناکیتی بھی کہتے ہیں - یہ کتاب ۷۱۸ھ/۱۳۱۸ء میں لکھی گئی اور سلطان ابو سعید (ایران کے مغل فرمانروا) کے نام منسوب کی گئی - یہ دراصل جامع رشیدی کا خلاصہ ہے جو ابو سلیمان سات سال پہلے مکمل کر چکا تھا - یہ سلطان غازان خان کے دربار کا ملک الشعرا بھی تھا -

حوالہ : (دائرۃ المعارف)

۱۹- ابوطالب حسینی ——— (گیارھویں صدی ہجری)

تزک تیموری کے مرتب - جس میں تیمور کے ابتدائی ۳۰ سال کے حالات درج ہیں - یہ کتاب فارسی ترجمہ ہے خود تیمور کی لکھی ہوئی تزک کا جسے خود اس نے ترکی زبان میں لکھا تھا - ابوطالب نے یہ ترجمہ شاہجہاں سے منسوب کیا تھا - اس کا انگریزی ترجمہ میجر چارلس اسٹوارٹ نے کیا ہے -

حوالہ : (بیل)

---

۲۰ - ابوعبداللہ بن محمد النعمانی (معروف بہ شیخ مفید اور ابن معلم) ——— وفات : ۴۱۳ھ / ۱۰۲۲ء

مشہور شیعی فقیہ تھے، اور ابوجعفر الطوسی کے بیان کے مطابق اپنے عہد کے بہترین خطیب و مجتہد تھے - انھوں نے سیکڑوں تالیفات اپنے بعد چھوڑیں جن میں ایک ارشاد نے بڑی شہرت پائی -

---

۲۱ - ابوعبیدہ معمر بن المثنیٰ التیمی ——— ولادت : ۱۱۰ھ / ۷۲۸ء - وفات : ۲۱۰ھ / ۸۲۵ء

قبیلۂ تیم کے مولیٰ تھے اور بڑے مشہور ادیب - بعض نے ان کو یہودی النسل بتایا ہے اور بعض نے خارجی - یہ قدیم عربی لٹریچر کے بڑے ماہر تھے - انھوں نے تقریباً ۱۰۰ رسایل عربی لٹریچر پر لکھے -

حوالہ : (ابن خلکان)

۲۲- احمد بن محمد بن عبدالغفور الغفاری القزوینی

یہ قاضی احمد الغفاری کے نام سے مشہور تھے - محمود غزنوی کے عہد کے مورخ تھے - انھوں نے نگارستان کے نام سے ایک کتاب لکھی جسے تاریخ تو نہیں کہہ سکتے لیکن اس وقت کے مختلف حکمراں خاندانوں کے قصص و حکایات کا مجموعہ ضرور ہے - یہ کتاب ۹۵۹ھ / ۱۵۵۲ء میں لکھی گئی تھی - اور اس کے مصنف کا بیان ہے کہ ۲۸ معتبر کتب تاریخ سے انھوں نے مواد فراہم کیا تھا -

حوالہ : (اسلامی ہند - نیاز)

۲۳- احمد رضا خاں بریلوی ابن مولوی نقی علی خاں بن مولوی رضا علی خاں بریلوی

ولادت (بریلی) : ۱۲۷۲ھ / ۱۸۵۵ء ——— وفات (بریلی)

روہیلکھنڈ کے نہایت مشہور مفتی، عالم و مصنف، چار سال کی عمر میں قرآن حفظ کیا اور پھر اپنے والد سے تمام علوم درسیہ حاصل کئے اور اپنے والد کی جگہ فتویٰ نویسی کی خدمت انجام دینے لگے، اس کے بعد آپ سید شاہ آل رسول مارہروی کے مرید ہوئے اور ان سے سند حدیث لیکر اپنے والد کے ساتھ حرمین گئے اور یہاں کے اکابر علماء سے فقہ حدیث و تفسیر وغیرہ تمام دینی علوم حاصل کئے - آپ نے ۸۰ سے زیادہ کتابیں لکھیں جن میں خاص خاص یہ ہیں :-

(سیرۃ نبوی) :- تجلی الیقین - سلطنۃ المصطفیٰ - البحث الفاحص عن طرق حدیث الخصائص

(متعلق بہ شیخین) :- منتہی التفصیل لمبحث التفضیل - مطلع القمرین -

(متعلق بہ اہل بیت اور صحابہ) :- مناقب اہلبیت - الجلال السحابیہ فی اجلال الصحابہ - الاحادیث الراویہ لمناقب معاویہ -

(متعلق بہ اولیاء کرام) :- انہار و لانوار - ازہار الانوار - طوامع النور

(نزاعی مسایل) :- سماع الاموات - منیر العین - المبارقۃ الشارقہ

(سیرت) :- النجوم الثواقب -

(فقہ) :- حسن البراعہ - شرح جوہرۃ المضیئۃ - الامر باحترام المقابر - فصل القضائی - حکم الافتاء

(علوم) :- مقامع الحدید (منطقی) - اعتبار الطالب - السعی المشکور - فوز الآمال -

حوالہ : (علماء ہند - یحمان علی)

۲۴ - احمد (مُلّا)

ان کے آبا و اجداد ٹھٹہ (سندھ) کے رہنے والے تھے - یہ خاندان فاروقی حنفی تھا، لیکن خود ملا احمد شیعہ ہو گئے تھے جب ۹۹۵ھ/۱۵۸۶ء میں دکن سے لوٹ کر اکبر کے دربار سے وابستہ ہوئے تو تاریخ الفی کو مکمل کرنے کی خدمت ان کے سپرد ہوئی - اس تاریخ کی ترتیب مختلف مورخوں کے سپرد کی گئی تھی، جن میں سے ایک یہ بھی تھے - پہلی دو جلدیں چنگیز خاں کے عہد تک کی وہ مکمل کر چکے تھے کہ مرزا فولاد برلاس نے (جس کے پاس وہ لاہور میں مقیم تھے) سخت زخمی کرا دیا کیونکہ خلفاء اول کے حالات لکھنے میں انھوں نے بدتمیزی کی تھی - اس جرم میں مرزا فولاد کو قتل کیا گیا اور اس کے تین چار دن بعد ان کا بھی انتقال ہو گیا - اس کے بعد تاریخ الفی کے کام کو آصف خاں جعفر بیگ نے شروع کیا اور ۹۹۷ھ/۱۵۸۹ء تک اسے پورا کیا -

حوالہ: (سبیل)

۲۵ - احمد یادگار

شاہانِ سور کے دربار سے وابستہ تھے اور داؤد شاہ نے انھیں سلاطین افاغنہ کی تاریخ لکھنے کا حکم دیا - یہ تاریخ بہلول لودی کے حالات سے شروع ہوتی ہے اور ہمو کے واقعۂ قتل پر ختم ہو جاتی ہے ان کا باپ مرزا عسکری کا وزیر تھا - تاریخ تصنیف کہیں درج نہیں ہے -

حوالہ: (اسلامی ہند - نیاز)

۲۶ - ارادت خاں واضح (مرزا مبارک اللہ) ——— وفات: ۱۱۲۸ھ/۱۷۱۶ء

ان کے والد اسحاق خاں (جو بعد کو کفایت خاں کے نام سے مشہور ہوئے) نواب عظیم خاں کے بیٹے تھے اور یہ دونوں باپ بیٹے امراء میں شمار ہوتے تھے - اسحاق خاں عہدِ جہانگیر میں میر بخشی اور فوجدار جونپور کے عہدوں پر ممتاز رہے (وفات: ۱۰۵۹ھ/۱۶۴۹ء) ان کی وفات پر ان کے بیٹے مبارک اللہ کو ارادت خاں کا خطاب عطا ہوا اور اورنگ زیب نے انھیں مختلف اوقات میں جگنا، اورنگ آباد اور مانڈو کا فوجدار مقرر کیا - شاہ عالم یا بہادر شاہ اول کے عہد میں یہ دو آب کے گورنر رہے - اخیر میں یہ تارک الدنیا ہو گئے اور یہ عہد فرخ سیر ۱۱۲۸ھ میں انتقال کر گئے -

یہ بڑے اچھے شاعر اور انشا پرداز تھے - ظہوری کی مینا بازار انھیں کی تصنیف بتائی جاتی ہے - ایک دیوان بھی اپنے بعد چھوڑا اور حکمات عالمگیات کے نام سے بھی ایک کتاب لکھی - جانشینان اورنگ زیب کی بھی ایک تاریخ لکھی جس کا انگریزی ترجمہ جوناتھن اسکاٹ نے کیا تھا

حوالہ: (دائرۃ المعارف)

۲۷ - اسحاق موصلی، ابو محمد اسحاق بن ابراہیم بن میمون بن بہمان ——— ولادت (رے): ۱۵۰ھ/۷۶۷ء - وفات (بغداد): ۲۳۵ھ/۸۵۰ء

عہدِ عباسیہ کے سب سے بڑے موسیقار تھے - یہ فارس کے ایک نہایت معزز خاندان کے فرد تھے - ان کے باپ کوفہ میں پیدا ہوئے اور وہیں قبیلہ بنو تمیم یا بنو دارم میں تعلیم و تربیت ہوئی، اسحاق نے بھی قرآن و حدیث وغیرہ کی پوری تعلیم حاصل کی اور موسیقی اپنے چچا زنزال عاتقہ بنت شہدا اور اپنے باپ سے سیکھی -

ہارون الرشید اور وزراء آل برمک ان کے بڑے قدردان تھے - یحییٰ بن خالد برمکی نے ایک بار انھیں ایک مکان عنایت کیا اور اسی کے ساتھ ایک لاکھ درہم اس مکان کی آرائش کے لئے عطا کئے - جب فضل بن یحییٰ برمکی خراسان کا گورنر مقرر ہوا تو اس نے اسحاق موصلی کو صرف ایک شعر پر ایک ہزار اشرفیاں انعام میں دیں - انعامات کی بارش نے انھیں بڑا دولتمند انسان بنا دیا تھا لیکن وہ نہایت فیاضی سے مستحقین میں تقسیم بھی کر دیتے تھے - چنانچہ ابن عربی (نعت نویس) بھی ان کے وظیفہ خوار تھے -

ہارون الرشید کے بعد امین، مامون، معتصم، واثق اور متوکل کے زمانہ میں بھی یہ بدستور مورد عنایات رہے - مامون کہا کرتا تھا کہ اگر اسحاق موصلی موسیقار نہ ہوتے تو میں انھیں قاضی مقرر کر دیتا - اور دربار میں انھیں علماء و فقہا ہی کی صف میں جگہ دیجاتی تھی -

اسحاق کی آواز اتنی اچھی نہ تھی لیکن فنی حیثیت سے وہ بڑے جامع انسان تھے - وہ ہمیشہ تیز اونچے سروں سے گاتے تھے اور اسی لئے انھیں "مسلوع" (عقرب زدہ) کہتے تھے - ہر چند کندی اور دوسرے علماء کی طرح انھوں نے یونان کی موسیقی کی کتابوں کا ترجمہ عربی میں

ہے یہ اور علمی حیثیت سے ان کا مرتبہ اتنا بلند نہ تھا لیکن عملی و فنی حیثیت سے انھوں نے عرب موسیقی کی بڑی گرانقدر خدمات انجام دیں۔ یہ حرف و ہر موسیقی ہی نہ تھے بلکہ ادیب و فقیہ بھی تھے۔

ابن ندیم نے ان کی سے تصانیف کا ذکر کیا ہے جن میں کتاب الاغانی الکبیر۔ اخبار ذی الرمہ۔ کتاب جواہر الکلام۔ کتاب تفضیل الشعر اور کتاب موارث الحکمۃ خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔

ان کا کتب خانہ بغداد کے بڑے بڑے کتب خانوں میں شمار ہوتا تھا جس میں تمام علوم و فنون کی کتابیں پائی جاتی تھیں۔ ابن خورداذبہ انھیں کے شاگرد تھے۔ ان کے بیٹے حماد نے جو مشہور محدث تھے ان کے حالات زندگی تحریر کئے تھے۔

حوالہ: (کتاب الاغانی - فہرست (اخبار ندیم - عقد الفرید - نہایت الادب)

۲۸- اسلم جیراجپوری ——— ولادت (جیراجپور اعظم گڈھ): ۱۲۹۹ھ

آپ کے والد مولانا سلامت اللہ بھوپال میں افسر تعلیمات تھے، وہیں اپنے والد سے درس نظامی کی تکمیل کی۔ اس کے بعد پیسہ اخبار میں مترجم ہوگئے، دو سال بعد علی گڈھ اسکول میں چلے آئے اور پھر لٹن لائبریری میں علوم مشرقیہ کی کتابوں کے مہتمم ہوگئے۔ اس کے چند سال بعد علی گڈھ کالج میں عربی، فارسی کے پروفیسر بنادئے گئے۔ ۱۹۲۱ء میں بہ سلسلۂ ترک موالات جامعہ ملیہ چلے آئے۔ آپ کو مذہب اور تاریخ سے خاص دلچسپی ہے۔ آپ کی بعض تصانیف یہ ہیں: تاریخ القرآن۔ حیات جامی، حیات حافظ۔ تاریخ نجد۔ تاریخ الامت، تعلیمات قرآن۔

۲۹- اکبر شاہ خاں نجیب آبادی ——— ولادت (نجیب آباد): ۱۸۸۸ء - وفات (نجیب آباد): ۱۹۳۸ء

ابتدائی تعلیم اپنے والد سے پائی جو بہت بڑے عالم تھے۔ عربی، فارسی کی تعلیم کے بعد سرکاری مدرسہ میں داخل ہوئے اور مڈل پاس کرنے کے بعد گورنمنٹ ہائی اسکول فارسی کے مدرس ہوگئے۔ چند دن بعد ترک ملازمت کرکے لاہور چلے گئے اور وہاں دیال سنگھ کالج اور لوکل کیمبرج کالج میں پروفیسر ہوگئے۔ آپ نے اسی دوران میں پیغام صلح، زمیندار، منصور وغیرہ متعدد اخبارات میں اڈیٹری کے فرائض بھی انجام دئے۔ اس کے بعد نجیب آباد واپس آکر ایک رسالہ عبرت جاری کیا اور تصنیف و تالیف میں مشغول ہوگئے۔

آپ کو تاریخ سے خاص لگاؤ تھا اور ہر کتاب آپ انتہائی تحقیق و جستجو سے لکھتے تھے۔ متعدد تاریخی رسالوں کے علاوہ آپ نے کئی کتابیں لکھیں جن میں مندرجۂ ذیل خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں:

آئینۂ حقیقت نما (دو حصوں میں) محمد بن قاسم فاتح سندھ سے لیکر آخری بادشاہ تک کی تاریخ - مقدمہ تاریخ ہند قدیم (دنیا کے تمام اقوام ممالک اور مذاہب و علوم پر تبصرہ) نظام سلطنت۔ تاریخ اسلام تین حصوں میں۔

۳۰- الہ داد سلطانپوری ——— وفات: ۱۰۰۶ھ / ۱۵۹۷ء

موضع نبودہ (ہندیہ) میں پیدا ہوئے اور عبداللہ مخدوم الملک سے تعلیم حاصل کی۔ اپنے وقت کے ممتاز علماء میں شمار کئے جاتے تھے۔ اکبر کے زمانہ میں کچھ عرصہ تک الہ آباد کے قاضی بھی رہ چکے تھے۔ متعدد تصانیف کیں۔ جن میں کشف الغمہ اور منہاج الدین مشہور ہیں۔

حوالہ: (علماء ہند - رحمان علی)

۳۱- رحمان علی احمد آبادی (ابن عبدالشکور علی) ——— وفات (دیوان): ۱۲۸۲ھ / ۱۸۶۵ء

مشہور عالم و طبیب تھے۔ آپ اپنے والد سے ہیئت اور دیگر علوم متداولہ مولوی محمد سعید رامپوری سے۔ بڑے زاہد و مرتاض شخص تھے۔ دربار ریواں میں پہلے طبیب کی حیثیت سے ملازم تھے اور پھر مہتمم پرمٹ ہوگئے۔ ان کی خاص تصانیف یہ ہیں: حسن البیان (تفسیر)، موضح البدعات۔ تیر التعبیر (خواب) - رد الوشیقہ (مناظرہ) - عجائب التدبیر (طب)۔ مجربات متین (طب)۔ تراجم متین (طب)

حوالہ: (علماء ہند - رحمان علی)

۳۲- الایجی، عضدالدین عبدالرحمان بن احمد ——— وفات: ۷۵۶ھ / ۱۳۵۵ء

ان کے حالات زندگی نامعلوم ہیں - ایج (فارس) کے رہنے والے تھے اور شیراز میں قاضی و مدرس بھی تھے - علم کلام و فلسفہ کے عالم تھے اور ان کی کتاب "المواقف فی العلم الکلام" یورپ میں بھی کافی مقبول ہوئی -

حوالہ: (دائرۃ المعارف)

۳۳- اوحدالدین بلگرامی

قصبۂ بلگرام کے متوطن تھے اور عربی ادبیات کے بڑے ماہر تھے - شیخ احمد عرب یمنی ان کے استاد تھے، ان کی تصنیف نفائس اللغات مشہور لغت ہے جس میں اردو الفاظ کے عربی، فارسی مترادف الفاظ دئے گئے ہیں - یہ کتاب محمد علی شاہ بادشاہ اودھ کے زمانہ میں لکھی گئی تھی -

حوالہ: (علماء ہند - رحمان علی)

۳۴- باجوری، ابراہیم ابن محمد ——— پیدائش: ۱۱۹۸ھ / ۱۷۸۳ء ... وفات: ۱۲۷۷ھ / ۱۸۶۱ء

قاہرہ سے قریب ایک گاؤں باجور کے رہنے والے تھے - جامع ازہر میں تعلیم پائی اور اپنے تبحر و کمال کی وجہ سے بہت مشہور ہوئے - تعلیم سے فارغ ہوکر یہیں پروفیسر ہوگئے اور اخیر عمر تک اس خدمت پر مامور رہے - انھوں نے علوم و فنون کی مختلف کتابوں کی شرحیں لکھیں - بعض تصانیف کے نام یہ ہیں: شرح شمایل ترمذی - شرح جوہرۃ التوحید - شرح رسالۃ فی البیان -

حوالہ: (دائرۃ المعارف اسلامیہ)

۳۵- بہاؤالدین ابوالمعالی محمد بن الحسن ——— ولادت (بغداد): ۴۹۵ھ / ۱۱۰۱ء - وفات غالباً: ۵۲۳ھ / ۱۱۲۸ء

ماہر ادبیات تھے اور دربار خلافت عباسیہ سے وابستہ - لیکن خلیفۃ المقتفی نے کسی بات پر برہم ہوکر منتیہ کردیا تھا اور اسی حالت میں انتقال ہوا -

انھوں نے اکابر شعر و تاریخ کا ایک بسیط تذکرہ مرتب کیا تھا جس کا نام ہی "التذکرہ" تھا -

حوالہ: (دائرۃ المعارف اسلامیہ)

۳۶- بہزاد، کمال الدین ——— ولادت (ہرات) اندازاً: ۸۵۲ھ / ۱۴۵۰ء - وفات: ۹۴۲ھ / ۱۵۳۶ء

فارس کے نہایت مشہور مصور و نقاش تھے - بعض ان کو میر روح اللہ، کا شاگرد ظاہر کرتے ہیں اور بعض پیر سید احمد تبریزی کا - تزک جہانگیری میں لکھا ہے کہ وہ خلیل مرزا کی نقاشی کے مقلد تھے - میر علی شیر نوائی اور حسین بیقرہ ان کے بڑے قدردان تھے - بیقرہ کے درباری تمدن میں، نوائی جامی اور خوندمیر کے ساتھ بہزاد بھی شامل تھے - جب خاندان بیقرہ ختم ہوا اور حکومت شیبانیوں کی ہوئی تو یہ ہرات سے تبریز چلے گئے جو اسوقت صفوی حکومت کا پایۂ تخت تھا - شاہ اسماعیل صفوی اور اس کا جانشین طہماسپ بھی بہزاد کا بڑا قدرشناس تھا -

۹۴۲ھ / ۱۵۳۶ء یا بعض روایات کے مطابق ۹۳۹ھ / ۱۵۳۳ء میں انتقال ہوا اور شاہ کمال جنبدی (مشہور شاعر) کی قبر کے پاس تبریز میں دفن کئے گئے یہ اپنے عہد کے مشہور نقاش تھے اور چھوٹی چھوٹی تصاویر بنانے میں کمال رکھتے تھے - جہانگیر نے تزک میں لکھا ہے کہ وہ لڑائی کے مناظر دکھانے میں یدطولیٰ رکھتے تھے - ظفرنامہ، گلستاں، بوستاں اور خمسۂ نظامی کے بعض مخطوطات جو بہزاد کے نقوش سے مزین ہیں، مختلف لائبریریوں میں محفوظ ہیں -

حوالہ: (دائرۃ المعارف اسلامیہ)

۳۷- تراب علی لکھنوی بن شجاعت علی ——— ولادت: ۱۲۱۳ھ / ۱۷۹۸ء - وفات (محمدآباد اعظم گڈھ): ۱۲۸۱ھ / ۱۸۶۴ء

ان کے مورث اعلیٰ دہلی سے تعلق رکھتے - علوم متداولہ کی تکمیل انھوں نے لکھنؤ میں کی اور بعد فراغ درس و تدریس میں مشغول ہوگئے -

ان کی خاص تصانیف یہ ہیں: شمس الضحیٰ - اکملۃ العلیٰ - العشرۃ الکاملہ - العجالۃ الدقیقہ - سبیل النجاح - حاشیہ شرح مسلم - الہدایۃ علی ابرالین

ہدایۃ النجدین - رسالۂ معراجیہ -

حوالہ: (تذکرہ - رحمان علی)

---

۳۸ - الترمذی، ابوعبداللہ محمد بن علی بن حسین ——— وفات: ۲۸۵ھ / ۸۹۸ء

خراسان کے سنی فقیہ و محدث تھے، ان کا شمار صوفیہ میں بھی ہوتا ہے - کہا جاتا ہے کہ انھوں نے ۳۰ کتابیں تصنیف کیں - جن میں سے بعض یہ ہیں: نوادر الاصول - ختم الولایت - علل العبودیۃ - کتاب الفروق -

حوالہ: (کشف المحجوب (ہجویری))

---

۳۹ - تفضل حسین کشمیری (خان علامہ) ——— وفات: ۱۲۱۵ھ / ۱۸۰۰ء

شیعی مذہب کے زبردست عالم تھے - ہندسہ، منطق اور علوم دینیہ کے ماہر تھے، حزیں سے بھی استفادہ کیا تھا - عربی فارسی کے علاوہ انگریزی و لاطینی بھی جانتے تھے - نواب آصف الدولہ کے زمانہ میں اس کے نائب رہے لیکن نواب سعادت علی خاں کے عہد میں ملازمت ترک کر دی - ہیئت - جبر و مقابلہ میں انھوں نے متعدد کتابیں لکھیں -

حوالہ: (سیل)

---

۴۰ - تلمسانی، ابواسحاق ابراہیم بن ابی بکر ——— ولادت (تلمسان): ۶۰۹ھ / ۱۲۱۲ء - وفات: ۶۹۰ھ / ۱۲۹۱ء

ابتدائی تعلیم غرناطہ اور ملاغا میں ہوئی - یہ مالکی فقیہ تھے - انھوں نے علم الفرائض پر ایک کتاب اُرجوزہ لکھی اور اس کے علاوہ ایک کتاب سیرۃ نبوی پر بھی لکھی - نتیجۃ الخیار اور ایک عروض پر بھی -

حوالہ: (دیباج (ابن فرحون))

---

۴۱ - جمیلہ

ابتداء عہد بنی امیہ کی نہایت مشہور مغنیہ تھی - اس نے موسیقی کی تعلیم سائب خاثر سے حاصل کی تھی اس نے تعلیم موسیقی کی ایک باقاعدہ درسگاہ قایم کی تھی، عرب کے متعدد مشہور ماہر موسیقی (معبد، ابن عائشہ، حبابہ، سلامہ) اسی کے شاگرد تھے -

جمیل کی مشہور محبوبہ بثینہ اس کی سہیلی تھی -

حوالہ: (اغانی)

---

۴۲ - حسن صغانی لاہوری (ابن محمد بن حسن بن حیدر) ——— ولادت (لاہور): ۵۷۷ھ / ۱۱۸۱ء - وفات (بغداد): ۶۵۰ھ / ۱۲۵۲ء

صغان (چغان) ماوراء النہر کا ایک شہر ہے - ان کے مورث اعلیٰ یہیں سے لاہور آئے - اپنے والد سے علوم متداولہ حاصل کئے اور فقہ و حدیث میں مہارت تامہ حاصل کی - بعد کو بغداد ہجرت کر گئے اور یہیں تصنیف و تالیف کا کام شروع کیا - خاص خاص تصانیف یہ ہیں: کتاب العباب (لغت) - مشارق الانوار - کتاب العروض - مصباح الدجیٰ - شرح البخاری - کتاب الفرائض -

حوالہ: (تذکرہ رحمان علی)

---

۴۳ - الحلاج، ابوالمغیث الحسین بن منصور بن محمّیۃ البیضاوی ——— ولادت: ۲۴۴ھ / ۸۵۸ء

ایرانی النسل صوفی و فقیہ تھے اور عربی زبان کے مصنف - ان کا دادا آتش پرست تھا - ۲۶۰ھ / ۸۷۳ء سے ۲۹۰ھ / ۹۰۱ء تک صوفیہ کی صحبت میں خلوت نشینی کی زندگی بسر کی - اس کے بعد باہر نکل کر خود دعوت و تبلیغ شروع کی اور تصوف میں ایک نیا "طبقہ حلاجیہ" قایم کیا - جب ۲۹۶ھ / ۹۰۸ء میں مکہ سے بغداد واپس آئے تو ایک بڑی جماعت ان کے ساتھ ہو گئی اور معتزلہ، امامیہ، اور ظاہریہ تمام طبقوں نے ان کے خلاف فتاویٰ صادر کئے اور دو بار گرفتار کئے گئے - حتیٰ کہ عباسی وزیر ابن عیسیٰ نے ۳۰۱ھ / ۹۱۳ء میں قید کر دیا - ۸ سال تک بغداد میں مقید رہے اور اس کے بعد علماء نے ان کو کافر و مرتد قرار دیا اور سولی دیکر ان کی لاش جلا دی گئی -

اس واقعہ کے بعد ان کے مقلدین فارس اور اہواز میں ابوعمارۃ الہاشمی کے گرد جمع ہوئے اور خراسان میں الدینوری کے گرد اور

اس خراسانی جماعت کے زیر اثر فارسی شاعری میں تصوف کا وہ رنگ پیدا ہوا جس کے بانی ابوسعید تھے - حلاج کا مسلک یہ تھا کہ صوفی ترقی کر کے ذاتِ خداوندی میں شامل ہو جاتا ہے اور اسی لئے انھوں نے انا الحق کا دعویٰ کیا تھا جس پر ان کو سولی دی گئی -

اسلام میں شاید ہی کوئی ایسی ہستی گزری ہو جس کے متعلق فقہا، متکلمین، حکماء اور صوفیین میں اتنا اختلاف پایا جاتا ہو - چنانچہ بعض تو حلاج کو کافر کہتے ہیں، بعض کوئی رائے نہیں دیتے اور بعض ان کے تصوف کے قایل ہیں -

حوالہ جات :- (قزوینی - ذہبی - ابن جوزی - مقدسی)

---

۴۴ - حلّی شیرازی (جمال الدین حسن بن المطہر حلّی) ——— وفات: ۷۲۶ھ

مشہور شیعی فقیہ و محدث تھے - اکابر شیعہ کے حالات میں انھوں نے ایک مبسوط تاریخ لکھی جس کا نام خلاصۃ الاقوال ہے - حدیث میں انھوں نے تین کتابیں لکھیں : استقصاء - مصباح الانوار - درر بحر المرجان -

حوالہ : (دائرۃ المعارف)

---

۴۵ - حمداللہ سندیلوی (ابن حکیم شکراللہ) ——— وفات (دہلی) : ۱۱۸۰ھ / ۱۷۶۶ء

ملا نظام الدین سہالوی کے خاص شاگرد تھے، اپنے عہد کے مشہور عالم و طبیب تھے - سندیلہ میں ایک مدرسہ قایم کیا جسکے مصارف کے لئے کئی گاؤں بادشاہ کی طرف سے دئے گئے اور فضل اللہ خاں کا خطاب عطا ہوا - نواب ابوالمنصور خاں صوبہ دار اودھ سے ان کے برادرانہ تعلقات تھے - ان کے شاگردوں میں بعض بڑے جید عالم پیدا ہوئے - ان کی مشہور تصانیف یہ ہیں :

حمداللہ (شرح تصدیقات مسلم العلوم) - حاشیہ شمس بازغہ - حاشیہ صدرا - شرح زبدۃ الاصول -

حوالہ : (تذکرہ رحمان علی)

---

۴۶ - حمزہ الاصفہانی، ابوعبداللہ حمزہ بن الحسن الاصفہانی

ولادت (اصفہان) اخیر تیسری صدی ہجری ——— وفات : ۳۵۰ھ / ۹۶۱ء اور ۳۶۰ھ / ۹۸۱ء کے درمیان

انھوں نے تعلیم کی غرض سے مختلف مقامات کا سفر کیا، لیکن زیادہ حصہ عمر کا وطن ہی میں صرف کیا - تاریخ و لسانیات کا ان کو خاص ذوق تھا - ادب و لغت پر انھوں نے بارہ تصانیف کیں جن میں صرف تین باقی رہیں : تاریخ حمزہ اصفہانی - کتاب الامثال علی الافعال اور ان کا مرتب کیا ہوا دیوان ابونواس -

حوالہ : (دائرۃ المعارف)

---

۴۷ - حیدر، بن علی حسینی رازی ——— ولادت : ۹۹۳ھ / ۱۵۸۳ء

فارسی مورخ تھے - انھوں نے اپنی تاریخ حیدری ۱۰۲۱ھ / ۱۶۱۱ء میں شروع کی اور ۱۰۲۸ھ / ۱۶۱۹ء میں ختم کی جبکہ ان کی عمر ۲۸ سال کی تھی - اس تاریخ کے پانچ حصے یا ابواب ہیں پہلے باب میں عرب دوسرے میں فارس، تیسرے میں وسطی و مشرقی ایشیا، چوتھے، چھٹے میں مغرب اور پانچویں میں ہندوستان کی تاریخ لکھی -

حوالہ : (دائرۃ المعارف)

---

۴۸ - حیدر علی سندیلوی ابن حمداللہ ——— وفات (سندیلہ) : ۱۲۲۵ھ / ۱۸۱۰ء

انھوں نے تکمیل علوم اپنے والد اور جناب باب اللہ جونپوری سے کی - بڑے متبحر عالم اور طبیب حاذق تھے - ان کے شاگردوں میں بڑے بڑے نامور علماء پیدا ہوئے - مولوی دلدار علی لکھنوی (مشہور شیعی مجتہد) اور مولوی رجب علی چریاکوٹی انھیں کے شاگرد تھے -

ان کی مشہور تصانیف یہ ہیں : حاشیہ میرزاہد - تعلیقات میرزاہد جلال - تعلیقات میرزاہد جلال - تعلیقات شرح مسلم

حوالہ : (تذکرہ رحمان علی)

---

۴۹ - الخازنی، ابوالفتح عبدالرحمان المنصور الخازنی

یہ یونانی غلام تھے جن کی پرورش علی الخازن المروزی نے مرو میں کی اور فلسفہ و ریاضی کی تعلیم دلائی۔ بعد کو یہ مسزالدین سلطان خراسان سے وابستہ ہوگئے۔ ان کا زمانہ پانچویں صدی ہجری تھا۔ ان کی متعدد تصانیف میں سے دو باقی رہیں: الزیج المعتبر السنجری کتاب میزان الحکمۃ۔

حوالہ: (تاریخ حکماء اسلام (بیہقی))

۵۰ - الخزرجی ضیاء الدین ابوالحسن علی بن محمد بن یوسف بن عفیف الخزرجی السعیدی

ولادت (بیغا، قرطبہ): ۵۹۰ھ / ۱۱۹۴ء ——— وفات (اسکندریہ): ۶۲۶ھ / ۱۲۲۸ء

یہ اپنے عہد کے بہت بڑے عروضی تھے۔ اس موضوع پر انھوں نے ایک کتاب بڑے معرکہ کی لکھی ہے جس کا نام: "الرامض الشافیہ فی علم العروض والقافیہ" ہے۔ اس کتاب کی شرحیں بکثرت لکھی گئیں۔

حوالہ: (دائرۃ المعارف)

۵۱ - دارقطنی، ابوالحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی ——— ولادت (دارالقطن، بغداد): ۳۰۵ھ / ۹۱۷ء - وفات (بغداد): ۳۸۵ھ / ۹۹۵ء

اپنے عہد کے بڑے زبردست محدث تھے اور اس فن کے "امیر المومنین" کہلاتے تھے۔ انھوں نے بصرہ، کوفہ، واسط، شام و مصر کا سفر کرکے یہ فن حاصل کیا۔ انھوں نے فن تجوید بھی متعدد اساتذہ سے حاصل کیا اور فقہ ابوسعید الاصطخری سے پڑھی۔ وہ بہت بڑے ادیب بھی تھے۔ انھوں نے اصول حدیث پر بھی متعدد کتابیں لکھیں۔ خاص تصانیف یہ ہیں:

السنۃ - کتاب علل الحدیث - الزامات علی الصحیحین - کتاب الاستدراکات - کتاب الافراد - کتاب الامالی - کتاب الاربعین - کتاب الرؤیا - غریب الحدیث۔

حوالہ جات: (تاریخ بغداد، خطیب بغدادی - معجم (یاقوت) - تذکرۃ الحفاظ (ذہبی))

۵۲ - دربینی، ابوالعباس احمد بن سعید بن سلیمان بن علی بن اخلف

ساتویں صدی ہجری میں خاندان اباضی کے مشہور عالم تھے۔ انھوں نے ایک تاریخی کتاب "طبقات المشائخ" لکھی تھی جو اباضی طبقہ کے اکابر و مشاہیر کی بڑی مستند تاریخ ہے۔

حوالہ: (دائرۃ المعارف)

۵۳ - دولت اباضی، شہاب الدین احمد بن شمس الدین بن عمر الزاولی الہندی ——— وفات: ۸۴۶ھ / ۱۴۴۲ء

دولت آباد (دکھن) میں پیدا ہوئے، علماء دہلی سے تعلیم حاصل کی۔ جب تیمور نے دہلی پر حملہ کیا تو یہ اپنے استاد مولانا خواجگی کے ساتھ کالپی چلے گئے اور عرصہ تک یہیں رہے۔ اخیر میں جونپور گئے، جہاں سلطان ابراہیم شرقی نے ان کو قاضی القضاۃ مقرر کردیا۔ سلطان ابراہیم شرقی کی قبر کے پاس ان کی بھی قبر ہے۔ بحر مواج تفسیر قرآن (فارسی) مشہور کتاب ہے۔

حوالہ جات: (سبحۃ المرجان - ابجد العلوم - مفید المغنی - حدایق الحنفیہ)

۵۴ - رضا قلی خاں بن محمد ہادی بن اسماعیل کمال ——— وفات: ۱۲۸۸ھ

مشہور شاعر کمال مجندی کے خاندان سے تھے۔ ان کے والد دربار قاچار سے وابستہ تھے۔ بہت کمسنی میں باپ کا انتقال ہوگیا۔ فارس میں تعلیم پائی اور وہیں ملازم ہوگئے۔ فتح علی شاہ قاچار ان پر بہت مہربان تھے۔ محمد شاہ نے اپنے بیٹے عباس مرزا کا اتالیق مقرر کیا لیکن محمد شاہ کے انتقال کے بعد ۱۲۶۴ھ میں وہ خانہ نشین ہوگئے۔ ۱۸۵۱ء میں ناصرالدین شاہ قاچار نے سفارتی سلسلہ میں نیپولز بھیجا اور پھر دارالفنون کا مہتمم اور اپنے بیٹے مظفرالدین کا اتالیق مقرر کیا۔

انھوں نے متعدد کتابیں لکھیں جن میں سے اکثر شائع نہ ہوسکیں۔ ادبیات میں انھوں نے دو کتابیں لکھیں: مفتاح الکنوز (شرح کلام خاقانی)

اور نژاد نامہ سلاطین عجم نژاد (تاریخ قدیم فرمانروایانِ ایران) - ایک دیوان کبھی ۳۰ ہزار اشعار کا چھوڑا اور چھ مثنویاں - بعض دوسری تصانیف یہ ہیں: فہرس التواریخ - اجمل التواریخ - روضۃ الصفا و ناصری - ریاض العارفین - فرہنگ انجمن آرائے ناصری - مدارج البلاغہ -

حوالہ: (دائرۃ المعارف)

---

۵۵ - سعداللہ مرادآبادی (مفتی) ——— ولادت: ۱۲۱۹ھ / ۱۸۰۳ء ——— وفات (رامپور): ۱۲۹۰ھ / ۱۸۷۳ء

لکھنؤ، رامپور اور دہلی میں علوم متداولہ کی تکمیل کی اور مکہ میں شیخ جمال مکی سے سند حدیث حاصل کی - واجد علی شاہ کی معزولی کے بعد نواب یوسف علی خاں (رامپور) کے زمانہ میں عہدۂ قضا پر مامور ہوئے اور نواب کلب علی خاں کے زمانہ تک یہ خدمت انجام دیتے رہے - ان کی تصانیف کی تعداد بہت ہے - خاص خاص یہ ہیں:

مفید الطلاب - عقود الاجیاد - نوادر الاصول (صرف) - غایت البیان - نوادر البیان (علم قرآن) نور الصباح فی اغلاط الصراح - حاشیہ شرح سلم - شرح قطبی (منطق) - مفید البصیرہ (حساب) - حاشیہ شرح چغمنی (ہیئت) - رسالۂ اعراض - رسالہ تشبیہ و استعارہ (علم بیان)

حوالہ: (تذکرہ رحمان علی)

---

۵۶ - سلام اللہ محدث رامپوری بن شیخ الاسلام بن حافظ فخر الدین ——— وفات: ۱۲۲۹ھ / ۱۸۱۴ء

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے خاندان سے تھے - مشہور محدث، فقیہ و مفسر تھے - ان کی مشہور تصانیف یہ ہیں: کمالین حاشیہ جلالین - شرح موطا ترجمہ فارسی صحیح بخاری - ترجمہ فارسی شمائل ترمذی - رسالہ اصول الحدیث (عربی)

حوالہ: (تذکرہ رحمان علی)

---

۵۷ - السکاری، ابوبکر یوسف بن ابی بکر بن محمد سراج الدین خوارزمی ——— ولادت (ماوراء النہر): ۵۵۵ھ / ۱۱۶۰ء - وفات: ۶۲۶ھ / ۱۲۲۹ء

ترکی النسل تھے اور ابتداءً دعات کی چیزیں بناتے تھے اور ان پر نقاشی کا کام کرتے تھے، اسی لئے انھیں سکاری کہنے لگے - یہ بالکل عامی شخص تھے لیکن بو کو علم کا شوق پیدا ہوا - ان کے حالات زندگی بہت کم معلوم ہیں - ان کا شمار حنفی فقہا میں ہوتا ہے - ان کی کتاب "مفتوح العلوم" (فن خطابت) بہت مقبول ہوئی -

حوالہ جات: (بغیۃ الوعاۃ (سیوطی) — روضۃ الجنان (محمد باقر))

---

۵۸ - (محمد) سلامت اللہ ——— وفات: ۱۳۳۸ھ / ۱۹۲۰ء

قصبہ پیرام پور ضلع علی گڑھ میں پیدا ہوئے - ابتدائی تعلیم اعظم گڈھ میں پائی - اس کے بعد رامپور کے علمی ماحول کی شہرت سن کر بعہد نواب کلب علی خاں رام پور آئے اور مولانا ارشاد حسین مجددی کے حلقۂ تلامذہ میں داخل ہوئے - جب مولانا شبلی نعمانی، مولانا ارشاد حسین سے فقہ کی تکمیل کی غرض سے رامپور آئے تو مولانا نے چند در چند مصروفیات کی وجہ سے انھیں مولوی سلامت اللہ کے سپرد کر دیا - چنانچہ علامہ شبلی نے دو برس رہ کر فقہ کی تکمیل سلامت اللہ سے کی - آپ نے پچپن برس کی عمر میں کلام اللہ حفظ کیا - علوم صرف و نحو اور فقہ و تفسیر و حدیث میں آپ کا پایہ بلند تھا - فتووں کا سلسلہ رامپور و بیرون رام پور جاری رہتا تھا - میاں خواجہ احمد صاحب کے مدرسہ میں ملازم تھے - پندرہ روپے کی تنخواہ تھی - جب دو روپے کا اضافہ ہوا تو یہ کہہ کر ہماری گزر اس میں ہو جاتی ہے اضافے سے انکار کر دیا - آپ کا زہد و تقوی اور استغنا بہت مشہور تھا - آپ ہی کی بدولت مدرسہ ارشاد العلوم کی تعمیر ہوئی -

بعض مشہور تلامذہ یہ ہیں: بلاغ المرام (غیر مقلدین کے رئیس) - القول الفصل - تلخیص الافادات (نحو) - برہان الصرف - تتمہ ارشاد المنطق -

(ذریعہ اثر رامپوری)

---

۵۹ - السہروردی، شہاب الدین، ابو حفص عمر بن عبداللہ ——— ولادت (سہرورد): ۵۳۹ھ / ۱۱۴۵ء - وفات: ۶۳۲ھ / ۱۲۳۴ء

مشہور صوفی اور شافعی فقیہ تھے - تصوف کی تعلیم اپنے چچا ابو النجیب اور شیخ عبدالقادر جیلانی سے حاصل کی - بغداد میں خلیفہ الناصر کے دربار سے وابستہ ہو گئے تھے اور وہیں انتقال کیا - شیخ سعدی نے دوران قیام بغداد میں ان سے بہت کچھ سیکھا جس کا ذکر بوستان میں پایا جاتا ہے - انھوں نے

متعدد حج کئے اور تصوف پر ان کی تصنیف " عوارف المعارف " بہت مشہور کتاب ہے - دوسری کتاب جس میں انھوں نے فلاسفۂ یونان کی تعلیمات کی مخالفت کی ہے۔ "کشف النصائح" ہے -

حوالہ : (دائرۃ المعارف)

---

۶۰ - سید محمد جونپوری (مدعی مہدویت) ——— ولادت : ۸۴۷ھ / ۱۴۴۳ء - وفات : ۹۱۰ھ / ۱۵۰۴ء

جونپور کے متوطن اور سید خاں کے بیٹے تھے - انھوں نے شیخ دانیال جونپوری سے تعلیم حاصل کی اور بارہ سال کی عمر میں تمام علوم متداولہ سے فراغت حاصل کرلی - فطرتاً بہت ذہین تھے اور دقایق علمیہ پر بحث و مباحثہ میں بے انتہا جری - چنانچہ علماء جونپور و داناپور انھیں اسد العلماء کہا کرتے تھے - سلطان حسین حاکم داناپور (جو دلیپ راؤ (گوڑ) کا باجگذار تھا) ان کا اتنا عقیدتمند تھا کہ ہر مہم میں اپنے ساتھ رکھتا تھا - انھوں نے سلطان حسین کو آمادہ کیا کہ وہ دلیپ راؤ سے جنگ کرکے آزاد ہوجائے، چنانچہ اس نے گوڑ پر حملہ کیا، سید محمد بھی اس کے ساتھ تھے - اول اول سلطان حسین کو شکست ہوئی، لیکن پھر سید محمد نے ۱۵۰۰ سواروں سے جنھیں بہراگی کہتے تھے حملہ کیا اور دلیپ راؤ کو قتل کردیا - اس کے بعد بارہ سال تک ان پر جذب کی کیفیت طاری رہی اور اسی دوران میں مہدویت کا دعوے کیا اور مع اہل و عیال کے ترک وطن کرکے چندیری پہونچے - یہاں کے لوگ جب ان کے وعظ و تلقین سے بہت متاثر ہوئے تو چندیری کے اکابر علماء نے ان کو یہاں سے نکال دیا - یہ مانڈو (پایۂ تخت مالوہ) پہونچے - یہاں سلطان غیاث الدین فرمانروائے مالوہ نے ان کی بڑی قدر کی - اس کے بعد آپ چانپانیر (پایۂ تخت گجرات) پہونچے - سلطان محمود گجراتی نے ان کے پاس جانا چاہا لیکن علماء گجرات نے اسے باز رکھا - اس کے بعد وہ برہانپور اور دولت آباد ہوتے ہوئے احمد نگر پہونچے اور یہاں کے فرمانروا احمد نظام الملک نے ان کی بڑی آؤ بھگت کی - پھر یہ بیدر اور گلبرگہ ہوتے ہوئے حج کے لئے روانہ ہوگئے - حج سے فارغ ہوکر گجرات آئے اور مسجد تاج خان میں قیام کیا - یہاں آپ نے دوبارہ اپنی مہدویت کا اعلان کیا جسے دعوے دوم کہتے ہیں - جب آپ کو یہاں بھی نہ ٹھہرنے دیا گیا تو آپ پٹن (نہروالہ) چلے گئے، لیکن یہاں سے بھی نکالے گئے اور موضع پرتی میں قیام کیا - یہاں آپ نے پھر تیسری بار اپنی مہدویت کا اعلان کیا اور فرمانروائے گجرات نے انھیں یہاں سے بھی باہر چلے جانے کا حکم دیا - اب یہ ٹھٹھہ (دارالحکومت سندھ) پہونچے - فرمانروائے سندھ نے ان کے قتل کئے جانے کا حکم دیا لیکن یہ حکم بعد کو منسوخ کرکے ان کو خارج البلد کردیا - اس وقت ۸۰۰ مریدان کے ساتھ تھے - یہ سب کو ساتھ لیکر خراسان کی طرف روانہ ہوئے - جب قندھار پہونچے - یہاں بھی وہی دارو گیر شروع ہوئی اور آپ فراہ چلے گئے اور یہیں انتقال کیا -

حوالہ : دائرۃ المعارف)

---

۶۱ - سیف بن عمر الاسدی التمیمی

عرب مورخ تھے - ابن ندیم نے ان کی دو تاریخی کتابوں کا ذکر کیا ہے - ایک کتاب الفتوح الکبیر عابر و قادر - دوسری کتاب الجمال و مسیر عایشہ و علی طبری نے اول الذکر کتاب سے کافی کام لیا ہے -

حوالہ : (دائرۃ المعارف)

---

۶۲ - سیفی (مولانا) بخاری المعروف بہ عروضی ——— وفات : ۹۱۶ھ / ۱۵۱۰ء

ان کے حالات زندگی نامعلوم ہیں - تیمور کے سلطان ابوسعید (بابر کا دادا) کے دربار سے ہرات میں عرصہ تک وابستہ رہے - فن عروض پر ان کی کتاب عروض سیفی نے کافی شہرت حاصل کی - اس موضوع پر انھوں نے ایک اور کتاب میزان الاشعار بھی لکھی تھی -

حوالہ جات : (تذکرۃ الشعراء (دولت شاہ) - آتشکدہ (لطف علی بیگ) - کشف الظنون (حاجی خلیفہ))

---

۶۳ - شرف الدین علی یزدی ——— وفات : ۸۵۰ھ / ۱۴۴۶ء

ظفر نامہ کے مصنف - جو تیمور کے حالات پر مشتمل ہے اور میر خوند کے نزدیک اس کا شمار بہترین تاریخوں میں ہے - اس کا ترجمہ یورپ کی اکثر زبانوں میں ہوچکا ہے - یہ سلطان ابراہیم (شاہ رخ میرزا کے بیٹے) کے دربار سے وابستہ تھے - اور اسی کی فرمائش سے انھوں نے ظفر نامہ لکھنا شروع کیا اور ۸۲۸ھ / ۱۴۲۵ء میں ختم کیا -

حوالہ : (اصلاحی ہندیہ - نیاز)

۶۴ - **الشریشی، ابوالعباس احمد** ——— وفات: ۶۱۹ھ / ۱۲۲۲ء

اسپین کے مشہور مصنف تھے۔ انھوں نے الفارسی کی الایضاح اور الزجاجی کی الجمل کی شرحیں لکھیں اور فنِ عروض پر بھی کئی رسالے تصنیف کئے۔ ایک تذکرہ قدیم شعراء عرب کا بھی مرتب کیا۔ لیکن ان کی ادبی شہرت کا باعث مقامات حریری کی شرح ہے۔

حوالہ جات: (تکملۃ الصلہ (ابن الابار) - بغیۃ الوعات (سیوطی))

---

۶۵ - **الشریف الرضی، ابوالحسن محمد بن ابی طاہر الحسین بن موسی الکاظم** ——— ولادت (بغداد): ۳۵۹ھ / ۹۷۰ء - وفات: ۴۰۶ھ / ۱۰۱۶ء

حسینی سید تھے۔ ان کے باپ آل بویہ کے عہد میں طالبیین کے نقیب تھے اور قبیلۂ قریش کے سب سے بڑے شاعر۔ بقول ثعلبی دس سال کی عمر سے شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔ ان کے دیوان میں سب سے پہلی نظم وہ ہے جو پندرہ سال کی عمر میں انھوں نے لکھی تھی۔ باپ کے بعد نقابت کی خدمت انھوں نے سنبھالیں۔ اور بہاؤالدولہ نے رضی اور شریف کے خطابات سے ممتاز کیا۔

انھوں نے قرآن پر دو کتابیں بھی لکھیں: معانی القرآن - مجازات القرآن - جو ضایع ہو گئیں۔

حوالہ جات: (تتمیۃ الدہر (ثعلبی) - ابن خلکان - مرآۃ الجنان (یافعی))

---

۶۶ - **حافظ، شمس الدین محمد شیرازی** ——— ولادت غالباً: ۷۲۱ھ / ۱۳۲۰ء - وفات (شیراز): ۷۹۱ھ / ۱۳۸۹ء

فارسی کے مشہور غزل گو شاعر تھے۔ ان کے ابتدائی حالات تاریکی میں ہیں۔ انھوں نے پہلے قرآن حفظ کیا اور پھر علوم متداولہ حاصل کئے۔ وہ اپنے دیوان میں ابواسحاق انجو کا ذکر کرتے ہیں جو مظفری خاندان کے تسلط سے قبل فارس کا حکمراں تھا۔ یہ اُس وقت کے بعض اکابر شیراز سے بھی مخلصانہ تعلقات رکھتے تھے، جن میں سے ایک درویش شیخ امین الدین تھے اور دوسرے حاجی قوام الدین حسن تھے اور ان دونوں کی صحبت سے حافظ بہت متاثر ہوئے تھے۔ جب ۱۳۵۳ء میں مبارزالدین محمد (امیر مظفر کا بیٹا) شیراز پر قابض ہوا تو حافظ کی پریشانیوں میں کافی اضافہ ہوا کیونکہ یہ بڑا مذہبی شخص تھا اور شراب نوشی کا دشمن، علاوہ اس کے چونکہ مبارزالدین سنی تھا اور حافظ شیعہ، اس لئے حافظ اپنے آپ کو خطرہ میں پاتے تھے۔ جب مبارزالدین کو اس کے بیٹے جلال الدین شاہ شجاعؒ نے معزول کر کے خود عنانِ حکومت میں لی تو حافظ کو اطمینان ہوا کیونکہ یہ بہت آزاد خیال تھا۔ یہ زمانہ حافظ کے انتہائی عروج و شہرت کا تھا جب نہ صرف فارس بلکہ دور دراز ملکوں تک ان کی شاعری کے قدر دان پیدا ہو گئے تھے، یہاں تک کہ ہندوستان کے بہمنی خاندان کے فرمانروا محمود شاہ اول کے وزیر عدلیہ نے بھی انھیں ایک بار طلب کیا لیکن یہ نہ جا سکے۔

شاہ شجاع کی وفات کے بعد (۱۳۸۴ء) اس کے بیٹے کا بیٹا زین العابدین بھی حافظ کا بڑا قدر دان تھا۔ جب تیمور نے اسے نکال کر شیراز پر قبضہ کیا تو حافظ بہت پریشان ہوئے، لیکن جب تیمور واپس گیا اور شاہ منصور کا زمانہ آیا تو اس نے حافظ کی بڑی عزت کی اور ان پر قرض کا جو بار ہو گیا تھا وہ بھی ادا کر دیا۔

حافظ کو اپنے وطن شیراز سے بڑی محبت تھی اور یہ اس سے جدا ہونا پسند نہ کرتے تھے، چنانچہ غزلوں میں شیراز کی شراب اور شیراز کی عورت کا ذکر نہایت والہانہ انداز سے پایا جاتا ہے۔ حافظ کی میخواری کے متعلق لوگوں میں اختلاف ہے، بعض کا خیال ہے کہ حافظ کی شراب، شرابِ تصوف تھی۔ بعض اس کے مخالف ہیں، لیکن حافظ کے خمریات کو بغور دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس میں یہ جوش پیدا ہونا ممکن نہ تھا اگر وہ خود شراب کے عادی نہ ہوتے، علاوہ اس کے کسی خانوادہ تصوف سے متعلق ہونا بھی تاریخ سے ثابت نہیں، ان کے کلام سے بھی یہی پتہ چلتا ہے کہ جس شراب کا وہ ذکر کرتے ہیں وہ اسی دُنیا کی شراب ہے، چنانچہ جب شاہ شجاع تخت نشین ہوا تو اس کی آزاد خیالی کی تعریف میں حافظ کے قلم سے بے اختیار یہ مصرعہ نکل گیا:-

کہ دورِ شاہ شجاع ست مے دلیر بنوش

حافظ کا ابتدائی کلام ضایع ہو گیا۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے دوست محمد گل اندام نے ان کے منتشر کلام کی جمع و ترتیب کی خدمت انجام دی۔ نہیں کہا جا سکتا کہ گل اندام کے نسخے میں کتنی غزلیں تھیں اور اس کی نقلیں کب اور کس طرح ملک میں پھیلیں، لیکن اس میں شک نہیں

کہ دیوان حافظ کا وہ نسخہ جو ابو طالب نے مرتب کیا تھا اور کلکتہ میں چھپا تھا (۱۷۹۱ء) سب سے زیادہ مکمل نسخہ ہے (گو پر از اغلاط ہے) جس میں ۵۲۷ غزلیں پائی جاتی ہیں۔ صحت و تنقیح کے لحاظ سے HERMANBROCKHANS کا شایع کردہ نسخہ جو سودی کے نسخہ کے مطابق ہے زیادہ قابلِ لحاظ ہے۔ اس میں غزلوں کی تعداد ۴۹۲ ہے۔

دیوان کے علاوہ حافظ کی دو تصانیف اور بھی ہیں۔ ایک حاشیۂ کشاف (زمخشری) دوسرا حاشیۂ مصباح۔

حوالہ جات: (مواہب الٰہی (معین الدین یزدی) - زبدۃ التواریخ (حافظ آبرو) - مطلع السعدین (عبدالرزاق سمرقندی) - روضۃ الصفا (میر خوند)

۶۷۔ شیخ مبارک ناگوری ——— وفات (لاہور): ۱۰۰۱ھ

اپنے عہد کے مشہور عالم تھے۔ ابو الفضل کا رضاعی اور مولانا عماد طارمی سے گجرات میں تمام علوم متداولہ حاصل کئے۔ علوم قرآنیہ کے بھی بڑے ماہر تھے۔ منبع العلوم کے نام سے ایک تفسیر چار جلدوں میں لکھی۔ اور ۵۰ سال تک آگرہ میں درس و تدریس کا مشغلہ جاری رکھا۔ ابو الفضل اور فیضی انھیں کے بیٹے تھے۔

حوالہ: (علماء ہند۔ رحمان علی)

۶۸۔ صدیق حسن خاں، سید ابو الطیب قنوجی (نواب امیر الملک والاجاہ بہادر)

ولادت (بریلی): ۱۲۴۸ھ / ۱۸۳۲ء ——— وفات (بھوپال): ۱۳۰۷ھ / ۱۸۹۰ء

یہ اپنے والد سید اولاد حسن کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے۔ ماں کا نام نجیب النسا تھا جو بریلی کی رہنے والی تھیں۔ سلسلۂ نسب جلال الدین جہانیاں جہاں گشت سے ملتا ہے جن کے دادا سید جلال گلسرخ، بخارا سے ہندوستان آئے تھے (۶۱۲ھ / ۱۲۱۵ء)۔

تعلیم دہلی میں ہوئی اور فراغ کے بعد بھوپال میں ملازم ہو گئے۔ یہاں جمال الدین خاں وزیر بھوپال کی لڑکی سے شادی ہو گئی، بیوی کی وفات کے بعد دوسری شادی شاہجہاں بیگم (والیۂ بھوپال) سے ہوئی۔ ان کے بیٹے سید علی حسن خاں نے جو پہلی بیوی سے تھے ان کی زندگی کے حالات مآثر صدیقی میں جمع کئے ہیں، جس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے ۲۲ کتابیں تصنیف کیں۔ ۴۰ عربی میں، ۵۴ فارسی میں اور ۱۰۳ اردو میں جن میں سے ۱۵ شایع نہیں ہوئیں۔

بیگم بھوپال سے شادی ہو جانے کے بعد ان کا دنیاوی وقار بہت بڑھ گیا اور ملک کے مختلف علماء کو جمع کر کے علمی مباحث میں حصہ لینا شروع کیا۔ چنانچہ ان کے زمانہ میں بھوپال ایک اچھا خاصہ مرکز علم و ادب بن گیا تھا۔

حوالہ جات: (مآثر صدیقی - تذکرہ علماء ہند (رحمان علی))

۶۹۔ صفدی، الحسن بن ابی محمد عبداللہ الہاشمی

مدتوں فرمانروا سلطان الناصر بن قلاؤن کے دربار میں تھے۔ آٹھویں صدی ہجری کے آغاز میں ان کا انتقال ہوا۔ انھوں نے ۷۱۶ھ میں مصر کی ایک تاریخ لکھی جس کا نام "نزہۃ الملک والممالک" تھا۔

حوالہ: (دائرۃ المعارف)

۷۰۔ صفی الدین، عبدالمومن بن یوسف بن فاخر الارموی البغدادی ——— وفات: ۶۹۴ھ / ۱۲۹۴ء

اخیر عہد عباسیہ کے نہایت مشہور مغنی تھے۔ بغداد میں پیدا ہوئے اور یہیں تعلیم و تربیت ہوئی۔ یہ آخری عباسی خلیفہ المعتصم کے مصاحب و مغنی اور لائبریرین تھے۔ موسیقی میں وہ اسحاق موصلی کے مرتبہ کے اور خطاطی میں یاقوت کے ہم پلہ سمجھے جاتے تھے اور ۵ ہزار دینار ان کا وظیفہ مقرر تھا جب ہلاکو نے بغداد میں قتل عام کیا تو ان کا خاندان محض مغنی ہونے کی وجہ سے محفوظ رہا اور ہلاکو نے ان کا مشاہرہ دس ہزار دینار مقرر کر دیا۔ ہلاکو کے جانے کے بعد یہ اس کے وزیر شمس الدین جوینی کے لڑکوں کے اتالیق ہو گئے۔ جوینی خاندان کا عروج جب تک رہا یہ امیرانہ زندگی بسر کرتے رہے، لیکن اس خاندان

کے زوال کے بعد ان کا عروج بھی ختم ہوگیا یہاں تک کہ وہ ۳۰۰۰ دینار قرض کے عوض قید کر دئے گئے اور اسی حال میں انتقال کیا۔

انھوں نے ادب و موسیقی پر کئی کتابیں لکھیں جن میں بعض کے نام یہ ہیں:

رسالۃ الشرفیہ ۔ کتاب الادوار ۔ فی العلوم العروض والقوافی والبدیع ۔

حوالہ جات: (فوات الوفیات (قطبی) ۔ تاریخ وصاف)

---

۷۱ ۔ الضبی ابوجعفر احمد بن یحییٰ بن احمد بن عمیرہ ——— وفات: ۵۹۹ھ / ۱۲۰۳ء

اسپین کے عالم تھے۔ اپنی زندگی کا بڑا حصہ مرسیا (شمالی افریقہ) میں بسر کیا۔ ان کی تصانیف میں سے صرف ایک تاریخ، عرب و اسپین کے علماء کی باقی رہی۔ اس کا نام "بغیۃ الملتمس" تھا۔

حوالہ: (دائرۃ المعارف)

---

۷۲ ۔ ضیاء الدین ابوالفتح نصراللہ ——— ولادت (جزیرہ): ۵۵۸ھ / ۱۱۶۳ء ——— وفات (بغداد): ۶۳۷ھ / ۱۲۳۹ء

صلاح الدین کے زمانہ میں ملازم ہوئے اور الملک الافضل کے عہد میں وزیر ہوگئے۔ جب دمشق پر تاتاریوں کا قبضہ ہوا تو یہ بھی متصرف بھاگ گئے اور پھر ۶۰۷ھ / ۱۲۱۰ء میں فرمانروائے حلب کے ملازم ہوگئے اس کے بعد وہ موصل چلے گئے اور وہاں ناصرالدین محمود کے عہد میں دیوان انشاء کے افسر ہوگئے۔ ان کی کتاب "المثل السائر فی ادب الکاتب والشاعر (ادبیات) بڑی مشہور تصنیف ہے"۔

حوالہ: (ابن خلکان)

---

۷۳ ۔ الطغرائی، مویدالدین، فخرالکتاب ابواسماعیل اصفہانی ——— ولادت (اصفہان): ۴۵۳ھ / ۱۰۶۱ء ——— وفات: ۵۱۵ھ / ۱۱۲۱ء

مشہور شاعر و مصنف تھے۔ سلاطین سلجوقیہ کے زمانہ میں، کاتب یا سکریٹری کی خدمت پر مامور ہوئے، لیکن آدمی بڑے بلند حوصلہ کے تھے اسلئے عہدۂ وزارت حاصل کرنے کے لئے سیاسیات میں نمایاں حصہ لیا، اور اس وقت کی خانہ جنگیوں سے فایدہ اُٹھانا چاہا۔ لیکن اخیر میں وہ ناکام ہوئے اور قتل کئے گئے۔

ان کی نہایت مشہور کتاب "لامیات العجم" ہے جس میں انھوں نے اپنے عہد کے ناموافق حالات کا ذکر کیا ہے اور شاعری کے لحاظ سے خاص مرتبہ کی چیز سمجھی جاتی ہے۔ انھوں نے ایک دیوان بھی اپنے بعد چھوڑا۔ فن خطاطی کے بھی ماہر تھے۔ ان کی بعض دوسری تصانیف یہ تھیں:

جامع الاسرار ۔ تراکیب الانوار ۔ حقیقت الاستشہادات ۔ ذات الفوایر ۔ رد علی ابن سینا فی البطال الکیمیا ۔ مصابیح الحکم۔

حوالہ جات: (یاقوت ۔ ابن خلکان ۔ ابن اثیر)

---

۷۴ ۔ عبدالقادر بن عمر البغدادی ——— پیدائش: ۱۰۳۰ھ / ۱۶۲۰ء ——— وفات: ۱۰۹۳ھ / ۱۶۸۲ء

بغداد کے مشہور ماہر لسانیات تھے۔ جامع ازہر (مصر) میں خفاجی سے قدیم حاصل کی۔ یہ فارسی زبان کے بھی ماہر تھے۔ ان کی تصانیف یہ ہیں:

خزانۃ الادب ولب لباب لسان العرب ۔ فرہنگ شاہنامۂ فردوسی ۔

حوالہ: (خلاصۃ الادب محبی)

---

۷۵ ۔ عبدالرشید بن عبدالغفور الحسینی المدنی التتاوی ——— وفات: ۱۰۶۹ھ / ۱۶۵۸ء

فارسی کے مشہور لغت نویس تھے۔ ٹھٹہ میں پیدا ہوئے اور ۱۰۶۹ھ / ۱۶۵۸ء کے بعد انتقال کیا۔ ان کا فارسی لغت "فرہنگ رشیدی" بہت مشہور ہے، جسے ۱۰۶۴ھ / ۱۶۵۳ء میں انھوں نے مرتب کیا تھا۔ انھوں نے ایک لغت عربی سے فارسی کا بھی مرتب کیا جس کا نام "منتخب اللغات" ہے۔ اس لغت کو انھوں نے شاہجہاں کے نام سے منسوب کیا تھا۔

حوالہ: (دائرۃ المعارف)

---

۷۶ - عنایت اللہ کمبوہ ——— ولادت: ۱۰۱۵ھ/۱۶۲۹ء — وفات: ۱۰۸۰ھ/۱۶۶۹ء یا ۱۰۸۲ھ/۱۶۷۱ء

مغلوں کے زمانہ میں یہ لاہور میں کسی خدمت پر مامور تھے - بہار دانش کے علاوہ انھوں نے عہدِ شاہجہاں تک کی ایک تاریخ بھی لکھی جو "تاریخ دلکشا" کے نام سے موسوم ہے - انھوں نے اپنی زندگی ہی میں اپنا نہایت شاندار مقبرہ لاہور میں طیار کرایا تھا جسے بعد کو سکھوں نے مسمار کر دیا اور انگریزوں کے زمانہ میں وہ کلیسا بن گیا -

(سید محمد لطیف لاہوری)

---

۷۷ - مُحاسبی، ابو عبداللہ حارث بن اسد العنزی ——— ولادت (بصرہ) - وفات: ۲۴۳ھ/۸۵۷ء

شافعی فقیہ تھے - مسایل مذہب میں معقولات سے کام لینے کے زیادہ موید تھے اور معقولات ہی سے انھوں نے معتزلہ کا مقابلہ کیا - لیکن اخیر میں گوشہ نشین ہو گئے اور مناظرہ وغیرہ ترک کر دئے - حنابلہ ان کے سخت مخالف تھے - ان کی خاص تصنیف "دعایۃ لحقوق اللہ" ہے جس میں انھوں نے بطور نصائح کے روحانی زندگی کے نکات ظاہر کئے ہیں - ان کی بعض دوسری کتابیں یہ ہیں: کتاب التوہم - ماہیۃ العقل -

حوالہ جات: (کشف المحجوب (ہجویری) - منقذ (غزالی) - کتاب الانساب (سمعانی) - طبقات (سبکی))

۷۸ - محمد بیرم (محمد بن مصطفےٰ ابن محمد بن حسین بن احمد بن محمد بن حسین بن بیرم)

ولادت (تیونس): ۱۲۵۶ھ/۱۸۴۰ء ——— وفات (حلوان مصر): ۱۳۰۶ھ/۱۸۸۹ء

تیونس میں بیرم مشہور خاندان تھا جس کے افراد نے تیونس کی فتح میں نمایاں حصہ لیا تھا اور ان میں اکثر تیونس کے مفتی اعظم رہ چکے تھے - محمد بیرم نے ابتدائی تعلیم اپنے عہد کے بڑے بڑے علماء سے حاصل کی - ۱۷ سال کی عمر میں ایک کتاب حکومت کے قواعد و ضوابط پر لکھی جس کا نام کُنّاش تھا -

۱۲۷۸ھ/۱۸۶۱ء میں مدرسہ عُنقیہ اور جامع زیتونہ ان کے چارج میں دئے گئے - چند دن بعد انھوں نے فرانسیسی حکومت کے مظالم کے خلاف اخبار رائض میں مضامین لکھنے شروع کئے اور اسمبلی میں عوام کی نمایندگی کا مطالبہ شروع کیا - ۱۲۹۱ھ/۱۸۷۴ء میں یہ مہتمم اوقاف بنا دئے گئے اور جدید مغربی اصول پر انھوں نے صادقی کالج کی بنیاد ڈالی - اسی سال بہ غرض علاج پیرس گئے اور اپنے اخبار رائض کی اشاعت شروع کی - ۱۲۹۳ھ/۱۸۷۶ء میں سرویا اور مانٹی نگرو کے خلاف انھوں نے ترکی کی بہت مدد کی - ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء میں وہ پھر پیرس گئے اور وہاں کی نمایش میں شریک ہوئے - یہاں سے وہ لندن گئے اور لوٹ کر الجزایر آئے - تیونس کی سیاسیات میں چونکہ نمایاں حصہ لیا تھا اس لئے فرانس کی حکومت نے انھیں وہاں نہ رہنے دیا - چنانچہ ۱۲۹۶ھ/۱۸۷۹ء میں یہ براہ مالٹا، اسکندریہ اور قاہرہ پہونچے - جہاں خدیو توفیق پاشا نے ان کی بڑی آؤ بھگت کی - اس کے بعد وہ حج کے لئے حجاز گئے اور پھر وہاں سے قسطنیہ پہونچے یہ زمانہ سلطان عبدالحمید کا تھا - یہیں انھوں نے اپنی مشہور کتاب "صفوۃ الاعتبار" مرتب کی - یہاں سے یہ پھر قاہرہ گئے اور الاعلام ایک سیاسی و علمی اخبار جاری کیا - دو سال بعد یہ ملکہ وکٹوریہ کی جوبلی میں شرکت کے لئے لندن گئے اور وہاں سے لوٹ کر "تجرید السنان فی الرد علی الخطیب ریّان" لکھی جس میں ریّان نے اس الزام کا جواب دیا گیا تھا کہ اسلام ترقی علوم و فنون کا مخالف ہے - ۱۳۰۶ھ/۱۸۸۷ء میں یہ قاہرہ میں جج کی حیثیت سے مامور ہوئے لیکن اس کے بعد ہی انتقال ہو گیا -

یہ حدیث، فقہ، قدیم و جدید تاریخ کے بڑے ماہر تھے - انھوں نے متعدد کتابیں تصنیف کیں، جن میں سے بعض یہ ہیں: -

"تحفۃ الخواص فی حل صید بزق الرصاص" (اس میں انھوں نے بندوق سے ہلاک ہو جانے والے جانور کو ذبیحہ قرار دیکر اس کے کھانے کا فتویٰ دیا ہے) "التحقیق فی مسئلۃ الرقیق" (غلامی کے مسئلہ پر)

حوالہ: (تاریخ آداب اللغۃ العربیہ (جرجی زیدان))

---

۷۹ - محمد عبدالباقی الرحیمی نہاوندی ——— وفات: ۱۰۶۴ھ/۱۶۵۴ء

عہدِ اکبری کے خاص لوگوں میں سے تھے اور عبدالرحیم خانخاناں کے متوسلین خصوصی میں - ان کی تاریخی کتاب مآثر رحیمی بڑی مشہور کتاب ہے

جو ۱۰۲۵ھ/۱۶۱۶ء میں پوری ہوئی - اس میں عہد اکبری کے امراء و ملوک کے حالات نہایت تفصیل کے ساتھ درج کئے ہیں اور عبدالرحیم خانخاناں کے حالات اتنی شرح و بسط کے ساتھ لکھے ہیں کہ بعض لوگوں نے اسے خانخاناں ہی کی سیرت قرار دیدیا - یہ کتاب عبدالرحیم خانخاناں کے نام سے موسوم ہے اسی لئے اس کا نام مآثر رحیمی رکھا گیا -

(اسلامی ہند - نیاز)

---

۸۰ - **محمد بقا ابن شیخ غلام محمد** ——— ولادت: ۱۰۳۷ھ/۱۶۲۷ء — وفات (سہارنپور): ۱۰۹۴ھ/۱۶۸۳ء

ابتدائی تعلیم اپنے والد سے پائی اور پھر شیخ عبدالحق محدث دہلوی سے - تعلیم سے فارغ ہوکر خود سلسلۂ درس و تدریس جاری کیا - یہ محمد معصوم سرہندی کے مرید تھے - افتخار خاں میر خانساماں نے انھیں اورنگ زیب کے دربار سے متعارف کیا اور یہ بخشی و وقایع نگار کی خدمت پر مامور ہوگئے - اسی سلسلۂ ملازمت میں انھوں نے مراۃ جہاں نما تاریخی کتاب لکھی - اس کے علاوہ دو کتابیں اور لکھیں: ریاض الاولیاء، تذکرۃ الشعراء -

حوالہ: (مراۃ عالم (بختاور خاں)

---

۸۱ - **عبدالقادر بن غیبی الحافظ الحراغی** ——— ولادت (مراغہ آذربیجان) وسط آٹھویں صدی ہجری — وفات (ہرات): ۸۳۹ھ/۱۴۳۵ء

فارس کے سب سے بڑے ماہر علم موسیقی تھے - نویں صدی ہجری میں یہ فرمانروائے عراق، سلطان حسین جلائری کے نہایت محبوب مصاحب تھے - اسی زمانہ میں ایک بار رضاء الدین رضوان شاہ نے جو اپنے عہد کا بہت بڑا ایک تھا ان کو مقابلہ کی دعوت دی اور ایک لاکھ دینار کی شرط قرار پائی، ابن غیبی یہ شرط جیت گئے -

سلطان حسین کے بعد یہ اس کے جانشین احمد کے دربار کے بھی مغنی رہے بعض کا بیان ہے کہ وہ سلطان بایزید فرمانروائے ترکی کے دربار سے کچھ عرصہ تک وابستہ رہے - جب تیمور نے بغداد کو فتح کیا (۱۳۹۳ء) تو وہ اپنے ساتھ ابن غیبی کو بھی سمرقند لے گیا اور دربار کا خاص مغنی مقرر کیا - چند سال بعد وہ تیمور کے لڑکے میران شاہ کے دربار سے وابستہ ہوکر تبریز چلے گئے - جب تیمور کو معلوم ہوا کہ میران شاہ کی بعض بدعنوانیوں کا باعث اس کے مصاحب تھے تو اس نے میران شاہ کے چند مغنی مصاحبین کو قتل کرادیا لیکن ابن غیبی کسی ترکیب سے جان بچاکر پھر سلطان احمد کے پاس بغداد پہونچ گئے جب تیمور نے ۱۴۰۱ء میں دوبارہ بغداد کو فتح کیا تو ابن غیبی بھی گرفتار ہوکر سامنے لائے گئے اور ان کے قتل کا حکم دیا گیا، لیکن انھوں نے تیمور کو قرآن کی بعض آیتیں نہایت خوش الحانی سے سناکر خوش کرلیا اور وہ پھر سمرقند لے گیا -

تیمور کی وفات کے بعد وہ شاہرخ کے دربار سے وابستہ ہوگئے - ۱۴۱۴ء میں انھوں نے موسیقی پر ایک رسالہ لکھا اور مراد ثانی کی خدمت میں پیش کرنے بروصہ پہونچے تو اس وقت وہ خود اپنی الجھنوں میں مبتلا تھا اس لئے وہ جلد ہی پھر سمرقند واپس آگئے اور ۱۴۳۵ء میں یہ عارضہ طاعون انتقال ہوگیا -

وہ نہ صرف بڑے زبردست مغنی تھے بلکہ خطاط، شاعر و نقاش بھی تھے، ان کی سب سے بڑی تصنیف اس فن پر "جامع الالحان" ہے - ان کی دوسری کتاب "مقاصد الالحان" ہے جو "جامع الالحان" ہی کا خلاصہ ہے - تیسری کتاب "کنز الالحان" میں انھوں نے اپنے بتائے ہوئے تمام گیت جمع کردئے اور ان کے گانے کے طریقے بھی بتائے - ان کی آخری تصنیف شرح الادوار بھی -

ابن غیبی نے اپنی تصانیف میں نہ صرف فارس و عرب کی تاریخ موسیقی تحریر کی ہے بلکہ عملی موسیقی اور سازوں کا بھی تذکرہ کیا ہے ان کی تمام تصانیف کے مطبوعات قسطنطنیہ کی عثمانیہ لائبریری اور جوڈلین لائبریری میں موجود ہیں -

حوالہ جات: (حبیب السیر (خوندمیر) - تذکرۃ الشعراء (براؤن) - ظفرنامہ (یزدی) - تذکرہ دولت شاہ)

---

۸۲ - **الفاسی، محمد بن احمد بن علی ابوالطیب تقی الدین المکی الخضراوی** — ولادت (مکہ): ۷۷۵ھ/۱۳۷۳ء — وفات: ۸۳۲ھ/۱۴۲۶ء

مورخ تھے - قاہرہ، دمشق، یروشلم، اسکندریہ اور یمن کی سیاحت کرکے وہاں کے علماء سے تحصیل علم کی اور ۸۱۲ھ/۱۴۱۲ء میں مکہ کے قاضی مقرر ہوگئے - لیکن ۸۳۲ھ/۱۴۲۹ء میں اس عہدہ سے ہٹا دیا گیا - انکی تاریخی تصانیف صرف مکہ سے متعلق ہیں - ان کی تصانیف یہ ہیں: -

کتاب العقد الثمین فی تاریخ البلد الامین - کتاب الرضا والقبول فی فضایل المدینۃ وزیارت رسول -
حوالہ جات : (کتاب الروض العاطر (نعمانی) - طبقات الحفاظ (سیوطی))

---

۸۳ - الفاروقی، (ملا) محمود بن محمد ——— ولادت (جونپور) : ۹۹۳ھ / ۱۵۸۵ء ——— وفات : ۱۰۶۲ھ / ۱۶۵۱ء

ابتدائی تعلیم اپنے دادا اور استاد الملک محمد افضل جونپوری سے حاصل کی اور سترہ سال کی عمر میں طلبہ کو درس دینے لگے جو تمام اطراف ہند سے اس کے پاس آتے تھے - ان کے فضایل و کمال کی شہرت شاہجہاں تک پہونچی تو دہلی طلب کیا اور سہ صدی منصب عطا کیا - جب یہ بادشاہ کے ساتھ لاہور گئے تو شاہ میر لاہوری سے بیعت کی اور ترک ملازمت کر کے وطن واپس چلے گئے اور درس و تدریس میں عمر گزار دی - ان کا شمار نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام ممالک اسلامی کے فاضل علماء میں تھا - یہ ادبیات و فلسفہ دونوں کے ماہر تھے - ان کی تصنیفات یہ ہیں :-

حاشیہ علی ادب الباقیہ - الفرایدی شرح الفواید - رسالہ فی ابطال الہیولیٰ - الشمس البازغہ (جو ہندوستان کے عربی درس نظامی میں شامل ہے)
حوالہ جات : (سبحۃ المرجان (آزاد بلگرامی) - شگرف بیان (زبیدی) - حدایق الحنفیہ (فقیر محمد لاہوری) - ابجد العلوم (صدیق حسن خاں))

---

۸۴ - قاضی خان فخر الدین الحسن بن منصور الاُزجندی الفرغانی وفات : ۵۹۲ھ / ۱۱۹۶ء

حنفی مسلک کے مشہور عالم و مفتی تھے - فقہ پر متعدد کتابیں لکھیں، جن میں "فتاوی قاضی خاں" بہت مشہور ہے - اسکی چار جلدیں تھیں -
حوالہ : (ابن قتلوبغا - حاجی خلیفہ)

---

۸۵ - قرۃ العین ——— (زمانہ تیرھویں صدی ہجری)

بہائی مسلک کی ایک مشہور مجاہد خاتون - ان کے والد حاجی ملا محمد صالح، قزوین کے ایک ذی اثر مجتہد تھے - یہ حاجی سید کاظم (شیخ احمد احصائی بانی مسلک شیخی کے جانشین) کے دوست تھے - قرۃ العین نے سب سے پہلے شیخی مسلک کے اصول حاجی سید کاظم سے معلوم کئے اور سید کاظم ہی نے ان کو قرۃ العین کہکر پکارا، ورنہ ان کا اصلی نام زریں تاج تھا -

قرۃ العین کی ابتدائی تعلیم دینیات وغیرہ کی بڑی اچھی ہوئی تھی اور وہ تمام علمی مباحثوں جو اس وقت ہوا کرتے تھے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا کرتی تھیں اول اول ان کی شادی آخوند محمد تقی مجتہد سے تجویز پائی تھی لیکن بعد کو اپنے عم زاد بھائی حاجی ملا محمد تقی سے بیاہ دی گئیں جو قزوین کے مجتہد تھے -

جس طرح یہ غیر معمولی حسن و جمال رکھتی تھیں اسی طرح غیر معمولی جودت و ذہانت کی بھی مالک تھیں - یہ قرآن، حدیث اور عربی زبان کی بڑی ماہر تھیں - شیخی مسلک کی طرف ان کے رجحان کا سبب یہ تھا کہ یہ بالطبع بہت آزاد طبع تھیں اور اس مسلک میں عورت و مرد دونوں کو برابر کا درجہ دیا گیا تھا اور پردہ بھی غیر ضروری چیز قرار دیا جاتا تھا -

جب سید کاظم کا انتقال ہو گیا (۱۲۵۹ھ / ۱۸۴۳ء) تو قرۃ العین نے ان کے ایک خاص چیلے ملا حسین بشروییہ سے شیخی مسلک کے ساتھ اپنی بڑھی ہوئی ارادت کا ذکر ایک تحریر کے ذریعہ سے کیا اور یہ بھی لکھا کہ بابی شیخی مسلک کا ظہور کسی نہ کسی دوسرے انسان میں ضرور ہوگا - ملا حسین جب بہ سلسلۂ سیاحت و جستجو شیراز پہونچے اور مرزا علی محمد سے ملاقات ہوئی تو ان سے یہ ذکر آیا اور انھوں نے کہا کہ شیخ احمد احصائی کا ظہور میرے ہی اندر ہوا ہے اور باب کا لقب اختیار کر کے تبلیغ شروع کر دی -

باب نے اس کے بعد اپنے ۱۹ حواریین کی ایک جماعت "حروف الحی" کے نام سے منتخب کی جن میں سے ایک قرۃ العین بھی تھیں (۱۲۶۴ھ / ۱۸۴۸ء) قرۃ العین نے بابی مسلک اختیار کرتے ہی برقع کو خیرباد کہہ دیا اور قزوین میں کھلم کھلا بہائی مسلک کی تبلیغ کرنے لگیں - ان کے خاندان والوں نے بہت کوشش کی کہ وہ ایسا نہ کریں، لیکن یہ باز نہ آئیں اور ایک اچھی خاصی جماعت ان کے ساتھ ہو گئی - ہو سکتا ہے کہ قرۃ العین کی کامیابی کا بڑا سبب ان کا حسن و جمال رہا ہو، لیکن اس سے انکار ممکن نہیں کہ اس کامیابی میں ان کے فضل و کمال اور مجاہدانہ خلوص و صداقت کا بھی بڑا ہاتھ تھا

جب قزوین میں ایک بڑی جماعت ان کی ہمنوا پیدا ہو گئی تو یہ کربلا گئیں اور وہاں تبلیغ شروع کی، یہاں انھوں نے اپنے آپ کو جناب فاطمہ کا مظہر ظاہر کیا اور چند دن میں وہاں بڑا رسوخ حاصل کر لیا - مخالفین نے اس فتنہ کی طرف کربلا کے حاکم کو متوجہ کیا، اس نے بغداد کے

گورنر کو خط لکھا اور حکم دیا کہ جب تک وہاں سے کوئی جواب نہ آئے قرۃ العین کربلا سے باہر قدم نہ نکالیں، لیکن یہ کسی نہ کسی طریقے سے کربلا چھوڑ کر بغداد پہونچ گئیں اور یہاں کے مفتی اعظم سے بڑی گرم بحث کی۔ پاشائے بغداد نے سارا حال قسطنطنیہ لکھ بھیجا اور وہاں سے فرمان صادر ہوا کہ قرۃ العین کو کسی نہ کسی ترکیب سے ایران لوٹا دیا جائے۔ اسی دوران میں قرۃ العین کے بعض ساتھی ان کی غیر معمولی آزادی و بے پردگی کے مخالف ہو گئے اور انھوں نے علی محمد باب کو شکایت لکھ بھیجی وہاں سے جواب آیا کہ قرۃ العین جو کچھ کرتی ہیں بالکل ٹھیک ہے اور اسی کے ساتھ جناب طاہرہ کا خطاب عطا ہوا۔

بغداد سے لوٹ کر یہ کرمان شاہ اور ہمدان آئیں۔ یہاں سے انھوں نے پایۂ تخت جاکر خود محمد شاہ شاہ ایران کو بابی بنانے کا قصد کیا۔ ان کے والد اور دوسرے اعزہ نے بہت سمجھایا اور بابی مسلک ترک کر کے اپنے شوہر کے پاس چلے جانے کی تلقین کی لیکن یہ نہ مانیں۔ اتفاق سے اسی وقت انکے خسر اور چچا حاجی ملا محمد تقی کو (جو بابیوں کے سخت مخالف تھے) بابیوں نے قتل کر دیا۔ اس پر بڑا ہنگامہ ہوا اور قرۃ العین کو مع ستر ساتھیوں کے گرفتار کیا گیا، بعد کو عدم ثبوت کی وجہ سے قرۃ العین کو صرف شہر بدر کر دیا گیا، یہ یہاں سے مازندران گئیں اور بدشت میں بابی متبعین اور لیڈروں سے ملیں جن میں نابالغ مرزا یحییٰ "صبح ازل" بھی شامل تھے۔ یہاں شیوخ و علماء سے مناظرہ ہوا جسے انھوں نے "تاریخ جدید" کے نام سے ایک طویل نظم میں قلمبند کیا۔

بدشت سے یہ نور چلی گئیں لیکن ان کے ساتھی شیخ تبرسی کے مقبرہ میں پناہ گزیں ہو گئے جو مازندرانی انقلاب پسندوں کا مرکز تھا۔ جب انقلاب پسند جماعت زیر کر لی گئی تو قرۃ العین بھی گرفتار کر کے طہران لائی گئیں۔ ناصر الدین شاہ قاچار ان کی صورت دیکھ کر مسحور ہو گیا اور کوتوال کی نگرانی میں ایک مکان کے اندر نظر بند کر دیا۔ اس کے بعد جب ۱۸۵۲ء میں جب ناصر الدین پر قاتلانہ حملہ کیا گیا اور بابیوں کی پکڑ دھکڑ شروع ہوئی تو قرۃ العین سے کہا گیا کہ وہ بابی مسلک کو ترک کر دے لیکن یہ نہ مانیں اور آخر کار نہایت جرأت و دلیری سے موت کی سزا قبول کر لی۔

قرۃ العین فارسی کی مشہور شاعر تھیں لیکن ان کا کلام چند غزلوں اور ایک مثنوی کے علاوہ باقی نہ رہا۔

حوالہ: (ناسخ التواریخ - براؤن)

۸۶۔ کاتبی، نجم الدین علی بن عمر القزوینی ——— وفات: ۶۷۵ھ / ۱۲۷۶ء

ایرانی نژاد فلاسفر تھے اور نصیر الدین طوسی کے شاگرد۔ مسئلہ واجب الوجود پر دلایل قدماء کی حمایت میں ان کی مراسلت نصیر الدین طوسی سے ایک مخطوطہ کی شکل میں اب بھی موجود ہے۔ ان کی خاص تصانیف یہ تھیں:

جامع الدقایق فی کشف الحقایق (منطق و طبیعیات) عین القواعد فی المنطق والحکم۔ کتاب حکمۃ العین (طبیعیات) الرسالۃ الشمسیہ فی القواعد المنطقیہ۔

حوالہ جات: (تاریخ گزیدہ (قزوینی) - حبیب السیر (خوندمیر)

۸۷۔ الکلبی، محمد ابو المنذر ہشام ——— وفات (کوفہ): ۲۰۴ھ / ۸۱۹ء

مورخ تھے۔ ابن ندیم نے ان کی ۱۴۰ تصانیف کا ذکر کیا ہے جن میں حسب ذیل کتابیں باقی رہیں:

کتاب النسب الکبیر (قبایل عرب پر) ۔ کتاب نسب الفحول الخیل فی الجاہلیۃ ۔ کتاب الاصنام۔

حوالہ جات: (طبقات ابن سعد - تہذیب التہذیب (ابن حجر)

۸۸۔ (قیام الدین) عبد الباری ابن عبد الوہاب بن عبد الرزاق ——— ولادت: ۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۸ء - وفات: ۱۳۴۴ھ / ۱۹۲۶ء

فرنگی محل کے آخری دور میں بڑے مرتبہ کے عالم تھے۔ انھوں نے علوم متداولہ مختلف اساتذہ سے حاصل کئے۔ نہایت وسیع المطالعہ انسان تھے اور پابندی کے ساتھ درس و تدریس میں مشغول رہتے تھے۔ آپ نے ممالک اسلامی کی بھی سیاحت کی اور وہاں کے علماء سے استفادہ کیا۔ فرنگی محل میں ۱۳۱۳ھ میں مدرسۂ نظامیہ قایم کیا جو اب تک موجود ہے۔ آپ کو سیاسیات میں بھی کافی دلچسپی تھی۔ خلافت کمیٹی، جمعیۃ العلماء کے آپ ہی بانی و موسس تھے۔ علی برادران اور گاندھی جی سے آپ کے بڑے وسیع تعلقات تھے۔ آپ کی تصانیف کی فہرست بہت طویل ہے اور علوم متداولہ میں سے کوئی علم ایسا نہیں جس پر آپ نے کوئی تصنیف نہ چھوڑی ہو۔

حوالہ: (تذکرہ علماء فرنگی محل)

۸۹ - عبدالحلیم فرنگی محلی ابن مولوی امین اللہ ـــــــ ولادت: ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۳ء ـــ وفات (حیدرآباد): ۱۲۸۵ھ/۱۸۸۶ء

علماء فرنگی محل میں سے تھے - ابتداء عمر میں قرآن حفظ کرکے ۱۲ سال کی عمر میں علوم درسیہ کی تکمیل سے فارغ ہوگئے - باندہ، جونپور اور حیدرآباد کے مدارس عربیہ میں ملازمت کی - اخیر میں حج کے لئے چلے گئے اور حرمین کے اکابر علم وفضل سے علوم عقلی ونقلی کی سند حاصل کی - ۱۲۸۳ھ میں لکھنؤ واپس آئے اور اپنے فرزند مولوی عبدالحئی کے نکاح سے فارغ ہوکر حیدرآباد گئے اور وہیں انتقال کیا - ان کی تصانیف بہت ہیں - خاص خاص یہ ہیں :- القول الاسلم حاشیہ شرح مسلم - کشف الکرم - حل المعاقد - الایضاحات - الفرقان (منطق) - غایۃ الکلام - قمر الاقمار - (حاشیہ نور الانوار حاشیہ نفسی -

حوالہ: (تذکرۂ علماء فرنگی محل)

۹۰ - محمد طاہر گجراتی ـــــــ ولادت (پٹن): ۹۱۴ھ/۱۵۰۸ء ـــ وفات: ۹۸۶ھ/۱۵۷۸ء

ابتدائی تعلیم وطن میں پائی، اس کے بعد مکہ چلے گئے اور وہاں کے اکابر علماء سے حدیث پڑھی اور علی بن حسام الدین المتقی سے قادری اور شاذلی سلسلہ میں بیعت کی - وہاں سے لوٹ کر محمد جونپوری (مدعی مہدویت) کے خلاف ایک محاذ قایم کرکے اس کے اعتقادات کی تردید میں بڑی کوشش کی جب ۹۸۰ھ/۱۵۷۲ء میں اکبر نے گجرات فتح کیا تو اس نے خود اپنے ہاتھ سے ان کے سر پہ پگڑی باندھی اور خان اعظم عزیز محمد کوکلتاش گورنر گجرات نے مہدوی جماعت کے خلاف ان کی بہت مدد کی - جب عبدالرحیم خانخاں، گجرات کا گورنر ہوا تو محمد جونپوری کے متبعین نے محمد طاہر کو بہت پریشان کیا - اور انھوں نے گھبراکر اکبرآباد کا رخ کیا تاکہ اکبر سے تمام حالات بیان کرے، لیکن اجین کے راستہ میں انھیں محمد جونپوری کے کسی مرید نے قتل کردیا - محمد جونپوری بوہرہ تھے اور اسی جماعت کے افراد انکے متبع تھے - انھوں نے متعدد تصانیف کیں جن میں خاص خاص یہ ہیں :-

مجمع البحار (لغت قرآن) - المغنی (راویین احادیث کا تذکرہ) - تذکرۃ الموضوعات (موضوع احادیث پر)

حوالہ جات: (اخبار الاخیار (عبدالحق دہلوی) - سبحۃ المرجان (آزاد بلگرامی) - حدیقۃ الحنفیہ (فقیر محمد) - ابجد العلوم (صدیق حسن خاں)، اتحاف النبلاء (صدیق حسن)

۹۱ - محمد فاروق چریاکوٹی ابن قاضی علی اکبر

علمی تبحر اور فضل وکمال میں اپنا مثل نہ رکھتے تھے - علوم نقلیہ وعقلیہ اپنے بڑے بھائی مولوی عنایت رسول سے حاصل کئے، ہیئت مولوی رحمت اللہ فرنگی محلی سے پڑھی، فقہ مفتی محمد یوسف فرنگی محلی سے اور منطق ابوالحسن منطقی سے - اس کے بعد حجاز گئے اور وہاں کے اکابر علماء سے استفادہ کیا، عربی وفارسی ادبیات کے بھی ماہر تھے - ان کے شاگردوں میں سے بعض نے بہت نام پایا - مولانا شبلی انھیں کے شاگرد تھے -

حوالہ: (علماء ہند - رحمان علی)

۹۲ - محمد مرتضیٰ بن محمد بن عبدالرزاق ابوالفیض الحسینی الزبیدی الحنفی ـــــ ولادت (بلگرام): ۱۱۴۵ھ/۱۷۳۲ء ـــ وفات (قاہرہ): ۱۲۰۵ھ/۱۷۹۱ء

بڑے جید عالم تھے - طویل سیر وسیاحت کے بعد قاہرہ میں مقیم ہوگئے (۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء) - یہاں سے وہ فن حدیث پر لکچر دینے لگے - ان کی شہرت سوڈان اور ہندوستان تک پھیل گئی ـــ ان کی تصانیف میں دو بہت اہم ہیں - ایک تاج العروس جو فیروز آبادی کی قاموس کی شرح ہے - دوسری اتحاف المتقین، غزالی کی شرح - ان کے علاوہ گیارہ رسایل ان کے اور ہیں جن میں ایک "حکمت الاشراق الی کتاب الآفاق" ہے اس میں انھوں نے عربی خط کی تاریخ اور مشہور خطاطوں کا ذکر کیا ہے -

حوالہ جات: (عجائب الآثار (الجبرتی) - اخطاط التوقیعیہ (علی پاشا مبارک))

۹۳ - مُغارق ابوالمُحیّاء بن یحییٰ بن ناؤس ـــــــ وفات (سمرا): ۲۳۱ھ/۸۴۴ء

عہد عباسیہ کے نہایت مشہور مغنی تھے - یہ ایک قصاب کے لڑکے تھے اور عاتقہ بنت شوذا (مشہور مغنی کا غلام - عاتقہ نے ان کو گانا سکھایا اور دربار کے مغنی ابراہیم الموصلی کے ہاتھ فروخت کردیا - موصلی نے ان کو مزید تعلیم موسیقی کی دی اور ہارون الرشید کے دربار تک پہونچا دیا - ہارون الرشید نے ان کا گانا بہت پسند کیا اور اس نے آزاد کردیا - ہارون کے بعد بھی عباسیہ دربار میں ان کی عزت ووقعت بدستور باقی رہی -

یہ بڑا خوش الحان مغنی تھا اور اس کی آواز بڑی باٹ دار تھی - دربار عباسیہ میں تین مغنی بڑے مرتبہ کے فنکار سمجھے جاتے تھے، ابراہیم الموصلی

ابن جامع اور مغارقی - عہد مامون میں اول الذکر دو مغنیوں کا انتقال ہو چکا تھا اور صرف مغارقی باقی رہ گیا تھا۔
مغارقی کے زبردست ماہر فن ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ فارابی نے عہد عباسیہ کے صرف دو موسیقاروں کو نابغ تسلیم کیا تھا۔ ان میں ایک اسحاق موصلی تھا اور دوسرا مغارقی۔

حوالہ: (کتاب الاغانی - عقد الفرید)

---

۹۴ - مخدوم الملک، مولانا عبداللہ ابن شیخ شمس الدین سلطانپوری ——— وفات: ۹۹۰ھ / ۱۵۸۲ء

ان کے آباؤ اجداد ملتان سے آکر لاہور کے قریب سلطان پور میں مقیم ہو گئے تھے۔ یہ مولانا عبدالقادر سرہندی کے شاگرد تھے اور ابوالفضل کے سخت مخالف۔ ہمایوں نے انھیں صدر الاسلام کا خطاب دیا اور اکبر کے عہد میں بھی کافی اقتدار حاصل رہا۔ بیرم خاں نے انھیں تھانکوالا کا علاقہ جاگیر میں دیا جس کی آمدنی ایک لاکھ تھی اور اکبر نے مخدوم الملک خطاب عنایت کیا۔ جب اکبر نے دین الٰہی جاری کیا تو انھوں نے سخت مخالفت کی اس لئے اکبر نے جلاوطن کر کے مکہ بھیجدیا (۹۸۷ھ / ۱۵۷۹ء)۔ جب مکہ سے واپس آئے تو ۹۹۰ھ / ۱۵۸۱ء میں انھیں زہر دیا گیا اور وہ مر گئے۔ ان کی تصانیف کی فہرست یہ ہے:

عصمت الانبیاء - منہاج الدین (سیرۃ نبوی) - حاشیہ شرح ملا جامی - شرح شمایل ترمذی -

حوالہ جات: (منتخب التواریخ (بدایونی) - مآثر الامراء (شاہ نواز خاں اورنگ آبادی) - آئین اکبری)

---

۹۵ - میر طاہر محمد نسیانی ابن سید حسین ——— ولادت: ۹۹۰ھ / ۱۵۸۱ء

اصل وطن قندھار تھا لیکن جب ۱۰۱۵ھ / ۱۶۰۶ء میں فارسیوں نے قندھار پر حملہ کیا تو یہ اپنی تعلیم پوری کرنے کے لئے ٹھٹھا آ گئے (اس وقت ان کی عمر ۲۵ سال کی تھی) اور مولانا اسحاق کے شاگرد ہو گئے۔ جب ہمایوں شیر شاہ سے شکست کھا کر سندھ پہونچا تو طاہر محمد کے نانا عمر شاہ اور ماموں داؤد نے اس کی بہت مدد کی اور اس نے ایک پروانہ لکھدیا کہ اگر میں کامیاب ہوا تو دو تپلا ان کی جاگیر میں دیدیا جائے گا، لیکن محمود خاں گورنر بھکر نے ان دونوں کو قتل کرا دیا اور ان کے خاندان کے باقی افراد احمد آباد بھاگ گئے۔

طاہر محمد نے تاریخ طاہری کے نام سے سندھ کی ایک بڑی اچھی تاریخ لکھی جو ۱۰۳۰ھ / ۱۶۲۱ء میں انھوں نے تمام کی تھی یہ کتاب انھوں نے شاہ محمد بیگ عادل خاں کے نام سے منسوب کی ہے جو ارغون خاندان کے گورنر قندھار کا بیٹا تھا۔ اس کتاب میں سمرا، سما، ارغون اور ترخان خاندانوں کے حالات درج ہیں۔

حوالہ: (اسلامی ہند - نیاز فتحپوری)

---

۹۶ - میر محمد معصوم المتخلص بہ نامی ——— (دسویں صدی ہجری)

یہ بھکر (سندھ) میں پیدا ہوئے، باپ کا نام صفائی حسینی کرمانی تھا۔ یہ اچھے تاریخ داں اور مشہور خوشنویس تھے۔ عہد اکبر و جہانگیر میں پائے جاتے تھے، اکبر نے انھیں بھکر میں جاگیر بھی دی تھی۔ انھوں نے سندھ کی ایک بڑی جامع تاریخ ۱۶۰۰ء میں مرتب کی جس کا نام تاریخ معلامی ہے۔ اس کتاب میں راجہ داہر (فرمانروائے سندھ) سے لیکر اکبر کے عہد تک کی تاریخ سندھ قلمبند کی ہے۔ بعد کے مورخین نے اس کتاب سے کافی استفادہ کیا۔

حوالہ: (اسلامی ہند - نیاز فتحپوری)

---

۹۷ - نظام بدخشی ——— وفات (اودھ): ۹۹۲ھ / ۱۵۸۴ء

اپنے وطن بدخشاں میں مولانا اسلام الدین ابراہیم اور ملا سعید سے فقہ و حدیث پڑھی اپنے عہد کے چند فضلاء میں شمار کئے جاتے تھے۔ بعد کو شیخ حسین خوارزمی کے مرید ہوئے اور سلیمان والی بدخشاں نے قاضی خاں کا خطاب دیا۔ کچھ دن بعد یہ ہندوستان آئے اور اکبر کے دربار میں باریاب ہوئے اور پروانچی کا عہدہ تفویض کیا گیا۔ پھر ایک ہزاری منصب دیا گیا۔ چند فوجی مہموں میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد غازی خاں کا خطاب ملا اور ستر سال کی عمر پاکر اودھ میں انتقال کیا۔ اس کی خاص تصنیف "عقاید نسفی" کی شرح ہے۔ تصوف پر انھوں نے بعض رسایل لکھے تھے۔

حوالہ جات: (منتخب التواریخ (عبدالقادر بدایونی) - مآثر الامراء (شاہ نواز خاں) - دربار اکبری (آزاد) - آئین اکبری)

---

۹۸ نظامی، حسن، صدرالدین محمد بن حسن ——— ولادت (نیشاپور) : (چھٹی صدی ہجری)

سورخ تھے۔ نیشاپور میں پیدا ہوئے اور شیخ محمد کوفی ہدایت کے مطابق تکمیل علم کے لئے غزنی گئے۔ یہاں یہ سخت بیمار ہوگئے، دہلی کا رُخ کیا اور پٹھان فرمانرواؤں کے دربار سے وابستہ ہوگئے۔ ۶۰۲ھ/۱۲۰۶ء میں اپنی مشہور تاریخ تاج المآثر لکھنا شروع کی۔ جو محمد بن سام، قطب الدین ایبک اور شمس الدین التمش کی تاریخ ہے۔ اس میں فتح اجمیر (۵۸۸ھ/۱۱۹۱ء) سے لیکر ناصرالدین محمد کے گورنر لاہور مقرر ہونے کے وقت (۶۱۴ھ/۱۲۱۷ء) تک کے حالات درج ہیں۔ یہ کتاب تاریخی، ادبی حیثیت سے بھی بڑا مرتبہ رکھتی ہے۔

حوالہ: (میر خوند)

۹۹۔ نعمت اللہ بن حبیب اللہ سہروی ——— (دسویں صدی ہجری)

ایرانی مورخ تھے۔ ان کے والد ۳۰ سال تک اکبر کے ملازم رہا اور یہ خود گیارہ سال تک جہانگیر کے وقایع نویس و مورخ رہے۔ اس کے بعد وہ خانجہاں کے ملازم ہوگئے اور دکن کی مہم میں اس کے ساتھ گئے۔ لیکن اسی زمانہ میں سامانہ کے سلیم خاں کاکر کے بیٹے مہابت خاں سے ان کی شناسائی ہوگئی اور اس نے نعمت اللہ کو خانجہاں کی حکومت کی تاریخ لکھنے پر آمادہ کیا۔ انھوں نے ۱۰۲۰ھ/۱۶۱۲ء میں بمقام ملکاپور یہ تاریخ لکھنا شروع کی اور دوسرے سال ختم کردی۔ اس کتاب کا نام تاریخ خانجہانی ہے۔ افغانوں کی تاریخ کے ساتھ ساتھ انھوں نے بہلول لودی۔ شیر شاہ سور۔ اور خانجہاں لودی کے حالات بھی بہت مفصل قلمبند کئے۔ اخیر میں افغان شیوخ کے حالات بھی درج کئے۔ اسی کتاب کا خلاصہ بعد کو مخزن افغانی کے نام سے کیا گیا۔

حوالہ: (دائرۃ المعارف)

۱۰۰۔ نعمت خان عالی، مرزا نورالدین محمد ——— وفات (دہلی): ۱۱۲۲ھ/۱۷۱۰ء

یہ شیراز کے مشہور طبیب خاندان کے فرد تھے۔ یہ ہندوستان میں پیدا ہوئے اور شاہجہاں کے عہد میں "داروغۂ جواہر خانہ" مقرر ہوئے۔ اورنگ زیب ان کا بڑا قدردان تھا جس نے ان کو عفت خاں۔ مقرب خاں اور دانشمند خاں کے خطابات سے ممتاز کیا۔ ان کا تخلص عالی تھا اور نظم و نثر فارسی کے بڑے ماہر تھے۔ نظم و نثر میں ان کی متعدد تصانیف پائی جاتی ہیں: جن میں خاص خاص یہ ہیں: وقایع حیدرآباد یا وقایع نعمت خان عالی (اورنگ زیب کے معاصرۂ حیدرآباد کے واقعات) جنگ نامہ (اورنگ زیب کے آخری عہد کی تاریخ جب اس کے لڑکے باہم دگر برسرپیکار تھے) بہادر شاہ نامہ (شاہ عالم بہادر شاہ کے ابتدائی دو سال کی تاریخ) مثنوی حسن و عشق (فتاحی کی مثنوی "حسن و دل" کے جواب میں)۔ راحت القلوب (اپنے بعض ہمعصروں پر طنز و مزاح)۔ ہجو الحکماء (بعض اطباء کی نااہلی کا خاکہ)۔ خوانِ نعمت (طباخی)۔ رقعات (بنام مرزا مبارک اللہ ارادت خاں و مرزا محمد سعید)۔ دیوان۔ مثنوی بغیر نام کی (جس میں صوفیہ کے اخلاقی نظریوں کا ذکر کیا گیا ہے)۔

حوالہ: (خزانۂ عامرہ)

---

۱۰۱ النہروالی (نہروانی)، قطب الدین محمد بن علاؤالدین احمد ——— ولادت (مکہ): ۹۱۷ھ/۱۵۱۱ء — وفات: ۹۹۰ھ/۱۵۸۲ء

ان کے والد نہروالہ (گجرات) سے مکہ ہجرت کر گئے۔ اور یہیں یہ پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم باپ سے حاصل کی اور پھر ۹۴۳ھ/۱۵۳۶ء میں قاہرہ چلے گئے۔ یہاں سیوطی کے تلامذہ سے تکمیل علم کی۔ ۹۶۵ھ/۱۵۵۷ء میں مدرسۂ اشرفیہ (مکہ) میں مدرس ہوگئے۔ ۹۶۵ھ/۱۵۵۷ء میں استنبول گئے اور وہاں سے لوٹ کر مدرسۂ سلیمانیہ میں مدرس ہوگئے (۹۷۵ھ/۱۵۶۷ء) اور پھر مکہ کے مفتی ہوگئے۔ انھوں نے تاریخ و ادب پر متعدد تصانیف کیں۔ بعض کا نام یہ ہے: تمثال الامثال (ادبیات)۔ التمثیل والمحاضرہ (ادبیات) کنز الاسماء (فن معمہ)۔ برق الیمانی فی الفتح العثمانی۔ (ترکی فتوحات کی تاریخ)۔ الاعلام (تاریخ مکہ)

حوالہ جات: (الشقایق النعمانیہ - نورالوافر - ریحانۃ الالباء (خفاجی))

۱۰۲۔ یحییٰ بن احمد بن عبداللہ سرہندی ——— (ساتویں صدی ہجری)

ان کے حالات زندگی نامعلوم ہیں۔ صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ وہ مبارک شاہ (سید خاندان کے حکمراں) سے وابستہ تھے اور اسی کے مفصل حالات انھوں نے اپنی مشہور کتاب "تاریخ مبارک شاہی" میں لکھے ہیں۔ اس تاریخ کی ابتدا محمد سام غوری کے زمانہ سے ہوتی ہے۔ فیروز شاہ تک کے حالات دوسری تاریخوں کی مدد سے لکھے اور بعد کے واقعات معتبر روایات اور خود اپنے مشاہدہ کی بنا پر تحریر کئے۔ سید خاندان کے حالات کی یہی اک معتبر تاریخ ہے جو طبقات اکبری، تاریخ فرشتہ، اور عبدالقادر بدایونی کا بھی ماخذ ہے۔

(اسلامی ہند۔ نیاز فتحپوری)

نگار کے خاص نمبر

سالنامہ ۱۹۵۲ء (حسرت نمبر)

جس میں ملک کے تمام اکابر نقاد لوگ نے حصہ لیا ہے اور انتخاب کلام حسرت اصل انداز سے کیا گیا ہے کہ آپکو کلیات حسرت دیکھنے کی ضرورت نہ ہوگی حسرت کی شاعری کا مرتبہ معلوم کرنے کیلئے اسکا مطالعہ ضروری ہے

قیمت دو روپیہ علاوہ محصول

سنہ ۱۹۴۸ء
جنوری ، فروری

(پاکستان نمبر) نگار کا جوبلی نمبر جس میں دنیا کے سامنے اسلام کی عظمت رفتہ اور تمدن اسلام کے بلند حقائق کو پیش کیا گیا ہے تاکہ مسلمان اپنے مستقبل کی تعمیر کے وقت اسلام کے دور زریں کو نہ بھول جائے جس پر مسلم حکومت کی ترقی کی بنیاد قائم ہوتی تھی

قیمت دو روپے
علاوہ محصول

سنہ ۱۹۴۹ء
جنوری ، فروری

نگار کا افسانہ نمبر ہے جس میں تقریباً تیس افسانے بہترین اہل قلم کے شائع کئے گئے ہیں۔ اس سالنامہ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے مطالعہ سے بآسانی معلوم کیا جاسکتا ہے کہ افسانہ نگاری کے کتنے اسکول ہیں اور ہر اسکول کا معیاری افسانہ کیسا ہونا چاہیے

قیمت دو روپے
علاوہ محصول

سنہ ۱۹۴۶ء
فروری ، مارچ

جو فن انتقاد پر ملک کے بہترین اہل قلم ارباب نگر کے مضامین پر مشتمل ہے قیمت دو روپیہ

علاوہ محصول

سنہ ۱۹۵۱ء
جنوری، فروری

اس سالنامہ کے دو حصے ہیں پہلے حصے میں ارس ہنڈی کی مشہور عالم کتاب ایک مستقبل کی تلاش کا ترجمہ اقتباس ہے جس میں اس نے ایران مصر، عراق فلسطین وغیرہ ممالک اسلامی کی سیاحت کے بعد وہاں کی موجودہ اقتصادی و سیاسی حالی اور ان کے اسباب پر روشنی ڈالی ہے اور اسکے ساتھ ہی بھی بتایا گیا ہے کہ ان کا مستقبل کتنا روشن ہے اگر وہ ترقی کے صحیح راستہ کو جان لیں۔ سالنامہ کا دوسرا حصہ اڈیٹر نگار کے قلم کا ہے جسمیں پہلی جنگ کے بعد مسلم حکومتوں کے انقلاب کی تاریخ اور اسکے اسباب کو ظاہر کیا گیا ہے قیمت عا

علاوہ محصول

سنہ ۱۹۵۳ء
جنوری، فروری

(داغ نمبر)

جس میں داغ کے سوانح حیات کے بہت سے وہ پہلو پیش کئے گئے ہیں جو اس وقت تک سامنے نہ آئے تھے۔ اس نمبر میں قیام رام پور، قیام حیدرآباد کے زمانہ کے علاوہ ان کی حیات عشقیہ پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے اور انکے فن شعر گوئی پر ملک کے مشہور نقادوں نے اظہار خیال کیا ہے۔ قیمت دو روپیہ علاوہ محصول

سنہ ۱۹۴۳ء
جنوری

اس نمبر میں ریاض خیرآبادی مرحوم کے کلام پر ملک کے متعدد مشاہیر نے نقد و تبصرہ کرکے بتایا ہے کہ ریاض کی شاعری کیا تھی۔ قیمت عہ علاوہ محصول

سنہ ۱۹۵۴ء
سالنامہ

(فرماں روایان اسلام نمبر)

یہ تاریخ اسلامی کا نچوڑ ہے جس میں ولادت نبوی سے لیکر اس وقت تک کی تمام مسلم حکومتوں کے شجرے دے کر انکے اسباب عروج و زوال کو بتایا گیا ہے۔ یہ سالنامہ دراصل تاریخی کتاب ہے۔ جو ہر لکھے پڑھے کے پاس ہونا چاہیئے۔ قیمت تین روپیہ

علاوہ محصول

سنہ ۱۹۵۵ء
سالنامہ

(علوم اسلامی و علمائے اسلام نمبر) مع تتمہ

جس میں اسلامی علوم و فنون پر مفصل تبصرہ کیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ مسلم حکومتوں نے علوم فنون کی ترقی میں کیا حصہ کیا۔ اس کے علاوہ تمام ممالک اسلامیہ کے اکابر علم و ادب کے مختصر حالات دے کر ان کی علمی خدمات اور تصانیف کا تذکرہ کیا گیا ہے

قیمت تین روپیہ علاوہ محصول

سنہ ۱۹۲۸ء
سالنامہ

(مومن نمبر) جو ختم ہو چکا تھا اور جس کی مانگ بہت زیادہ تھی دوبارہ شائع کیا گیا ہے۔ مومن کے مطالعہ کے لیے اس کا پڑھنا از بس ضروری ہے۔ قیمت دو روپے

R250.N.A 966

رجسٹرڈ نمبر اے ۴۶۶

مکتوباتِ نیاز

(تین حصوں میں)

ایڈیٹر نگار کے تمام وہ خطوط جو جذبات نگاری، سلاست بیان، رنگینی اور ادبیلے پن کے لحاظ سے فن انشا میں بالکل پہلی چیز ہیں اور جن کے سامنے خطوط غالب بھی پھیکے معلوم ہوتے ہیں ان ایڈیشنوں میں پہلے ایڈیشن کی غلطیوں کو دور کیا گیا ہے اور ۲۰ پونڈ کے کاغذ پر طباعت ہوئی ہے

قیمت ہر حصہ کی چار روپیہ علاوہ محصول

فلاسفۂ قدیم

اس مجموعہ میں حضرت نیاز کے دو علمی مضامین شامل ہیں۔

(۱) چند گھنٹے فلاسفۂ قدیم کی روحوں کے ساتھ۔

(۲) مادر کا مذہب نہایت مفید اور دلچسپ کتابچہ

قیمت ایک روپیہ علاوہ محصول

نقاب اٹھ جانے کے بعد

نیاز فتحپوری کے تین افسانوں کا مجموعہ جس میں بتایا گیا ہے کہ ہمارے ملک کے ہادیان طریقت و علمائے کرام کی اندرونی زندگی کیا ہے اور ان کا وجود ہماری معاشرت و اجتماعی حیات کے لیے کس درجہ سم قاتل ہے، زبان، پلاٹ، انشار کے لحاظ سے جو مرتبہ ان افسانوں کا ہے وہ صرف دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔

قیمت آٹھ آنے علاوہ محصول

شاعر کا انجام

جناب نیاز کے عنفوان شباب کا لکھا ہوا افسانہ جس کا دلکش کی تمام نشہ بخش کیفیات اس کے ایک جملہ میں موجود ہیں یہ افسانہ اپنے پلاٹ اور انشار کے لحاظ سے اس قدر بلند چیز ہے کہ دوسری جگہ اسکی نظیر نہیں مل سکتی تازہ ایڈیشن نہایت صحیح اور خوشخط

قیمت بارہ آنے علاوہ محصول

جذباتِ بھاشا

جناب نیاز نے ایک دلچسپ تمہید کے ساتھ بہترین ہندی شاعری کے نمونے پیش کر کے ان کی اپنی تشریح کی ہے کہ دل بیتاب ہو جاتا ہے۔ اردو میں یہی سب سے پہلی کتاب اس موضوع پر لکھی گئی ہے جس میں ہندی شاعری کے بے مثل نمونے نظر آتے ہیں۔

قیمت بارہ آنے علاوہ محصول ڈاک

شہاب کی سرگزشت

حضرت نیاز کا وہ عدیم النظیر افسانہ جو اردو زبان میں بالکل پہلی مرتبہ سیرت نگاری کے اصول پر لکھا گیا ہے اس کی زبان، تخیل، اس کی نزاکت بیان اس کی انشار عالیہ سحر حلال کے درجہ تک پہونچتی ہے یہ ایڈیشن نہایت صحیح اور خوش خط ہے۔

قیمت دو روپے

علاوہ محصول ڈاک

مذاکراتِ نیاز

یعنے حضرت نیاز کی ڈائری جو ادبیات تنقید کا عجیب و غریب ذخیرہ ہے ایک بار اس کو شروع کر دینا اخیر تک پڑھ لینا ہے۔ یہ جدید ایڈیشن ہے جس میں صحت و نفاست کاغذ و طباعت کا خاص اہتمام کیا گیا ہے۔ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے

علاوہ محصول ڈاک

انتقادیات

حضرت نیاز کے انتقادی مقالات کا مجموعہ فہرست مضامین یہ ہے۔ ایران و ہندوستان کا اثر جرمن شاعری پر فارسی زبان کی پیدائش پر سرسری نظر، اردو شاعری پر تاریخی تبصرہ اردو غزل گوئی کی عہد بہ عہد ترقی، نقشہائے رنگ رنگ (غالب کی فارسی غزل گوئی پر تبصرہ) ادبیات اور اصول نقد، فنون ادبیہ و حقیقت نگاری

قیمت چار روپے علاوہ محصول

فراست الید

مؤلفہ نیاز فتحپوری

اس کے مطالعہ سے ایک شخص انسانی ہاتھ کی شناخت اور اس کی لکیروں کو دیکھ کر اپنے یا دوسرے شخص کے مستقبل، سیرت، عروج و زوال، موت و حیات صحت و بیماری، شہرت و ننگ نامی پر صحیح پیشین گوئی کر سکتا ہے

قیمت ایک روپیہ علاوہ محصول

مذہب

حضرت نیاز کا وہ معرکہ آلار مقالہ جس میں انھوں نے بتایا ہے کہ مذہب کی حقیقت کیا ہے اور دنیا میں یہ کیونکر رائج ہوا اسکے مطالعہ کے بعد انسان خود فیصلہ کر سکتا ہے کہ مذہب کی پابندی کیا معنی رکھتی ہے قیمت ایک روپیہ، علاوہ محصول